اللّٰھم صلِّ علیٰ سیّدنا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم

رہبرِ کاملؐ

احقر عبدالاحد

SHEIKH MUBARAK ALI
M. SHAHID ISLAM
LAHORE

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

DATA ENTERED

۲۹۷۶۹۹۹۲۱
۱ عبد ۲۸ م
۳۲۳۶۵

جملہ حقوق محفوظ

REHBAR-E-KAMIL

By

Abdul Ahad

1990

Price Rs. 30/-

ISBN 81 - 85360 - 59 - 6

سالِ اشاعت ۱۹۹۰ء

قیمت ۳۰/- روپے

ناشر احقر عبدالاحد
F - 36 کرسچن کالونی جموں، جموں وکشمیر

سرِورق ریاض الامین

کتابت انور علی

مطبع فوٹو آفسیٹ پرنٹرس بلیماران دہلی ۶

ملنے کا پتہ

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

۳۱۰۸ گلی عزیز الدین وکیل، کوچہ پنڈت لال کنواں دہلی ۶

Hello : 526162 774965

رہبرِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تعارف

سرورِ عالم رحمتِ مجسم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم بنی نوع انسان کیلئے ہادی و رہبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ نے اپنی تیئس سالہ مبارک زندگی میں بنی نوع انسان کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے انسان کو وہ راستہ دکھایا جس پر چل کر وہ فوز و فلاح پا سکتا ہے۔ جب تک دنیا میں ایک انسان بھی موجود ہے اُسے اپنے مقصدِ زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے ہدایت و رہنمائی اور صراطِ مستقیم کی ضرورت و تلاش رہے گی۔ اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی مقدّس زندگی ہی وہ واحد نمونۂ زندگی ہے جو انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے والی اور اس کی حقیقی رہنما ہے اور انسانیت کے قافلے کو عافیت اور امن کے ساتھ اُس کی منزلِ فلاح و سلامتی تک لے جا سکتی ہے۔ اگر آج لوگوں کے سامنے حضورِ اکرمؐ کی پاکیزہ زندگی ان کے عقل و شعور کے مطابق پیش کی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میں اپنی تمام فکری، اقتصادی اور روحانی و اخلاقی بیماریوں کا شفا بخش علاج پائیں گے۔

اُردو میں بہت ساری کتابیں سیرتِ پاکؐ کے موضوع پر لکھی گئی ہیں اور بعد میں لکھی جاتی رہیں گی۔ موجودہ دور کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے محبّ محترم عبدالاحد صاحب نے بھی ایک قیمتی کتاب "رہبرِ کاملؐ" اس مقدّس موضوع پر لکھی ہے۔ میں نے محترم موصوف کی کتاب "رہبرِ کاملؐ" کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس کے لکھنے میں کافی محنت و مشقت سے کام لیا ہے۔ اور

حقیقت یہ ہے کہ اُن کی یہ مخلصانہ کوشش حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہؐ سے گہری عقیدت و محبّت کا مظہر ہے۔ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے یہ ایک بڑا بے نظیر تحفہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے مطالعے سے خواص و عوام دونوں ہی مستفیض ہوں گے اور ان کے دلوں سے موصوف کے لیے دعائیں نکلیں گی۔
میری دلی دعا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ جناب عبدالاحد صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور عشقِ رسولؐ کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور امّت کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

محتاجِ دعا

(مولانا) بندہ صدرالحسن قاسمی خادم (امام) جامع مسجد جموّں

۲۸؍ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

اپنے عصیانِ بسیار اور اپنی علمی کم مائگی سامنے لاکر اگر اپنے دہن کو عرقِ گلاب سے دھولوں اور نوکِ قلم کو عطر گلاب میں ڈبو دوں تاہم خدشہ ضرور رہے گا کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک زبان پر لاؤں یا قلم بند کروں، خاص کر جب ذہن پر یہ بات آتی ہے کہ آپؐ پر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا سایہ ہے اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی رفعت سے سرفراز ہیں۔

حضورؐ کو تو اللہ تعالیٰ نے بھی کبھی نام لے کر نہیں پکارا، بلکہ اوصافِ حمیدہ سے مخاطب فرمایا اور ان مبارک ناموں میں چند ایسے بھی ہیں جن کا مفہوم صرف خداوند کریم ہی کو معلوم ہے جیسے طٰہٰ، یٰسین، حٰم وغیرہ۔ البتہ ڈھارس سی بندھ جاتی ہے جب سوچتا ہوں کہ ایک ادنیٰ اُمتی ہونے کے ناطے سیرتِ طیبہؐ پر اپنے خلوص کا اظہار کرنے کی جسارت شاید قبول ہو۔ بہرحال میری اس کوشش میں فصاحت و بلاغت کم مگر جذبات و خلوص زیادہ ہو گا۔

یوں تو بہت سے بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے حیاتِ طیبہؐ کے بحرِ بےکراں پر بہت کچھ لکھا ہے۔ بھلا اُن کے سامنے میری کیا حیثیت ہے۔ مگر اس بوڑھی اماں کی طرح جو سُوت کی کچھ پُونیاں ساتھ لے کر مصر کے بازار میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے جا رہی تھی تاکہ نام خریداروں میں شامل ہو، میں بھی قلم اٹھانے کی جسارت کرتا ہوں۔

Marfat.com

میری اس تحریر میں، تقریباً تسلسل قائم رکھتے ہوئے، اہم واقعات درج ہیں۔ تجزیہ اور تبصرہ سے اس لیے گریز کیا ہے کہ تحقیق اور تفصیل کی تشنگی موجود رہے۔

معلّم ہونے کے ناطے مجھے ہم مذہب طلبا۔ اور طالبات سے واسطہ پڑا ہے۔ تقریباً ۹۵ فیصد ان میں سے غیر مسلم مذاہب اور تواریخ سے بخوبی واقف ہیں مگر اپنے مذہب اور تاریخ سے کورانہ انداز میں ناواقف ہیں، سری کرشن جی کن سے تولد ہوئے اور ان کی پرورش کس نے کی، وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں مگر اتنا نہیں جانتے کہ حضرت آمنہ اور حضرت حلیمہ کون تھیں۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہمارے بچے دوسرے مذاہب سے واقف نہ ہوں، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام اور بانیٔ اسلام کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوں اور ان میں جذبۂ تحقیق اس حد تک بڑھ جائے کہ اس دینِ فطرت کو اوروں کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکیں۔

اپنی طرف سے میری انتہائی کوشش یہ رہے گی کہ ارکانِ خمسۂ اسلام کی وضاحت اس طرح کروں کہ مسلمان کیا غیر مسلم بھی اسلام کو دینِ فطرت تسلیم کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ پر لکھتے وقت میں نے معجزات کا ذکر بہت کم کیا ہے البتہ آپ کو انسانِ کامل کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

پڑھنے والے خواتین اور دیگر حضرات سے میری پُرزور استدعا ہے کہ مجھے دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ شاید ان کی دعاؤں کے طفیل اللہ جل شانہٗ اور ان کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم مجھ پر راضی ہوں اور میری موت مومن کی موت ہو جائے اور بعد موت مغفرت نصیب ہو۔

احقر

عبدالاحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وہ دانائے سُبُل، ختم الرسل، مولائے کُل
جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ
(اقبالؒ)

میلاد

اللہ تعالیٰ نے ہر اس موقع پر جب کسی مقام پر کسی قوم میں جہالت کی تاریکی شراب نوشی، جوآ اور شرک حد سے گزر جاتے تو کسی پاک باز ہستی کو یہ سب بُرائیاں دور کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ جب بھی ان انبیاء کرامؑ نے خدا کا کلام اپنی اپنی قوموں تک پہنچانا چاہا تو قوموں کی طرف سے بہت سی تکلیفیں برداشت کیں۔ جن لوگوں نے کلام الٰہی کو تسلیم بھی کیا انھوں نے بھی اپنی اپنی سہولتوں کو مدنظر رکھ کر ان صحیفوں میں تبدیلیاں کیں۔ اس طرح زبور، انجیل، اور توریت جیسے صحیفے اپنی اصلی حالت میں نہیں رہے اور شرک و کفر دور نہ ہو سکے، اور ان مذاہب میں سے کوئی ایک بھی تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

اسی طرح جب چھٹی صدی عیسوی میں عربستان جہالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا۔ بت پرستی قریش کے قبائل کا پیشہ بن چکا تھا۔ خدا کے گھر کعبہ شریف میں بھی بت پرستی ہو رہی تھی۔ بدکاری اور دختر کشی عربوں کا شعار بن چکا تھا۔ اور وہ اپنی اس بے راہ روی پر خوب اتراتے تھے۔ ان

Marfat.com

سب خرابیوں کی وجہ سے انسانیت ناپید ہو چکی تھی۔ زور آور کمزوروں پر ہر قسم کے ظلم ڈھا رہے تھے اور غلاموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جا رہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ۹، ربیع الاوّل کے روز صبح صادق کے وقت عرب کے قصبہ مکہ شریف میں ایک نورانی بچہ تولد ہوا۔

یوں تو دنیا میں روزانہ ہزاروں بچے پیدا ہو رہے تھے۔ مگر خداوند کریم نے اس بچے کا مستقبل نہایت روشن اور تابناک مقرر فرمایا تھا۔ یقیناً یہ لمحہ ہدایت الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ سعادتِ بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ امت مسلمہ کا پہلا دن تھا اور یہ حضرت ختم المرسلین، رحمۃ اللعالمین محمد بن عبداللہ کی ولادتِ باسعادت تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

اس روشن اور نورانی بچے کی والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔ والد حضرت عبداللہ نوزائیدہ بچے کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ گویا باپ کا منہ تک دیکھنا نصیب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ شیر خوارگی ہی میں صبر کا سبق شروع ہوا۔ دادا عبدالمطلب نے بچے کا نام محمدؐ رکھا۔ اس نام میں حمد یعنی تعریف مضمر ہے۔ اس روز بابرکت پر آتش کدے بجھ گئے۔ قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز اٹھے اور مشرکین نے محسوس کیا کہ ایک انقلابی دَور آنیوالا ہے۔

ان دنوں مکہ شریف کے لوگوں میں رواج تھا کہ شہری برائیوں اور غلیظ ہواؤں سے بچنے کی خاطر اپنے نوزائیدہ بچوں کو دیہاتی عورتوں کے حوالے کرتے تھے تاکہ وہ انھیں دودھ پلائیں اور اچھی تربیت دیں۔ جب یہ عورتیں بچوں کو لینے کے لیے شہر میں آگئیں تو محمدؐ کو لینے کے لیے کوئی بھی عورت آمادہ نہیں ہوئی شاید اس لیے کہ یہ بچہ یتیم تھا اور واپسی پر خاطر خواہ معاوضہ نہ مل سکے، مگر کسی کو کیا معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کس خاتون کا انتخاب منظور تھا کیونکہ اس بچے کو تمام عالم کی ہدایت اور سعادت کا منصبِ اعلیٰ عطا ہونے والا تھا، لہٰذا پرورش کرنے والی خاتون کا پاک دامن، زاہد اور شریف الطبع ہونا لازمی تھا۔

حلیمہ ایک غریب مگر باشعور خاتون تھیں ۔ اس خیال سے کہ شاید وہ اچھی غذا میسّر نہ کر سکے، کوئی بھی اپنے نوزائیدہ کو ان کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا ۔ مایوس ہونے کے بعد وہ یتیم بچے محمدؐ کی پرورش کرنے پر مجبور ہوئیں، واہ ! مفلسی کے لباس میں کتنی بڑی سعادت حاصل ہوئی ۔

پرورش کی میعاد ختم ہونے پر حلیمہ نے محمدؐ کو اپنی والدہ حضرت بی بی آمنہ کے حوالے کر دیا ۔ وہ بچے کو لے کر اپنے والدین کے پاس یثرب چلی گئیں ۔ تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد جب وہ اپنے لالؐ کو لے کر مکّہ جا رہی تھیں تو کچھ فاصلہ چل کر بیمار ہو گئیں اور ابوا کے مقام پر پہنچ کر وفات پا گئیں اور وہیں پر دفن ہوئیں ۔ کتنا دل خراش اور مایوس کن موقع تھا وہ ! نہ کوئی یار نہ مددگار، نہ کوئی مونس نہ غمخوار، ایک والدہ تھیں وہ بھی اللہ کو پیاری ہوئیں ۔ مرحومہ کے ساتھ ان کی وفادار لونڈی اُم ایمنؓ تھیں ۔ وہ حضرتؐ کو لے کر مکّہ آئیں اور آکر آپؐ کو اپنے دادا عبدالمطلب کے سپرد کر دیا ۔ دادا نے یتیم پوتے کو سینہ سے لگایا اور بڑی شفقت کے ساتھ پرورش شروع کی ۔

عبدالمطلب بھی اب بوڑھے ہو چکے تھے ۔ بیاسی برس کی عمر تھی، ان کو رہ رہ کے اپنے پوتے کا خیال آتا تھا ۔ آخر انؐ کو اپنے سب سے ہونہار بیٹے جناب ابوطالب کے سپرد کر کے وفات پائی ۔ اور مکّہ کے قبرستان حجون میں سپردِ خاک ہوئے ۔

جناب ابوطالب نے بھی اپنے برادر زادہ کی پرورش بڑے لاڈ پیار کے ساتھ کی ۔ ان کے ناز اٹھاتے ۔ اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام کا خیال رکھا ۔ جناب ابوطالب سوداگر تھے، تجارت کا سامان لے کر ملک شام کو جانے والے تھے حضرتؐ نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی ۔ چچا انکار نہ کر سکے، ساتھ لے گئے، مگر کسی وجہ سے راستہ ہی سے واپس کر دیا ۔ اب آپؐ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تھی ۔ مقامی رواج کے مطابق بکریاں چرانے گئے ۔

اس زمانے میں عرب درس و تدریس کی سہولت سے محروم تھا لہٰذا آنحضورؐ

بھی امیّ رہے ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کو منظور تھا ۔

حضرتؐ بچپن ہی سے صبر و شعور سے مالا مال تھے ۔ اس امر کی شہادت جنابہ حلیمہ نے بھی دی ہے کہ بھوک کے باوجود حضرتؐ نے بے صبری کبھی بھی ظاہر نہیں کی ۔ بے جا باتوں کے ساتھ آپؐ کو دور کا واسطہ نہ تھا ۔ بلوغیت کا زمانہ بہت ہی نازک زمانہ ہوتا ہے ' اس میں سیرت کا امتحان ہوتا ہے ۔ اور اس کی تشکیل ماحول کے مطابق تعمیر یا تخریب کی طرف جاتی ہے ۔ مگر حضورؐ مکدر ، مضر ، فحش اور مایوس کن ماحول سے اپنا دامن بچاتے رہے اور تصورِ معبودِ حقیقی سے سرفراز ہوکر اپنے آپ کو خود رفتہ پایا ۔

جب بیس سال کے ہوئے تو ایک سماج سدھار سوسائٹی میں شامل ہوئے ، مظلوموں کی مدد فرماتے رہے اور جب تک ان کو اپنے جائز حقوق نہ دلائے ، باز نہیں آئے " اور انہی محاسن اور نیک اعمال سے متاثر ہوکر لوگ آپ کو صدیق اور امین کے ناموں سے پکارنے لگے ۔ لوگوں میں بڑے ہر دل عزیز ہوئے اور بڑی شہرت پائی ۔ صلعم

ازدواج

اپنے بلند ترین اخلاق اور شہرت کی وجہ سے مکہ شریف کی ایک متموّل سوداگر خاتون خدیجہ نے آپؐ کو مال سودا شام لے جانے پر مامور کیا ۔ آپؐ کے ساتھ اس خاتون کا ایک غلام بھی گیا ۔ یہ ذمہ داری آپؐ نے محنت ' ایمانداری اور نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دی ۔ اور امید سے زیادہ منافع کمایا ۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور ہر بار امتحانوں اور آزمائشوں میں آپؐ پورے اترے ۔

حضرت خدیجہ آپؐ کے حسنِ اخلاق ' نرم طبیعت اور نیک اطوار و اوصاف سے بہت متاثر ہوئیں ' اور جب آپؐ نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ حساب

Marfat.com

دیتے رہے تو موصوف خاتون نے حضرتؐ کو شادی کی پیش کش کی۔ حضورؐ نے تفاوتِ عمر کو درگزر کر کے پیش کش قبول فرمائی۔ اس وقت حضورؐ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

یہاں ضمناً اس بات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آنحضورؐ کے ازدواجی تعلّقات کے موضوع پر کچھ متعصّب مؤرخین نے بے جا اعتراضات کا ایک طومار باندھا۔ حتیٰ کہ کچھ مسلمان بھی جو اصلی حقائق سے بے خبر تھے، متاثر ہوئے کہ حضورؐ نے متعدد نکاح کیے۔ حالانکہ حضورؐ کے تمام نکاح کسی نہ کسی مصلحت کے تحت ہوئے اور جنسی خواہشات کا بالکل کوئی دخل نہ تھا۔ کیونکہ آپ تو ابدی طور پر نفسِ مطمئنہ سے سرشار تھے۔

ذرا اندازہ کیجیے کہ ایک نوجوان جن کا روئے انور چڑھتے سورج کی طرح روشن جن کے رخسار نازنین بدرِ کامل کے مانند ہوں، کیا ان کے لیے کوئی نسبتاً کم عمر یا کم از کم ہم عمر حسینہ کی کمی تھی جو ایک چالیس سالہ خاتون کی دعوتِ نکاح قبول فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا جتنی اُمہاتُ المومنین تھیں محض تحفظ کی بنا پر نکاح میں لائی گئی تھیں کہ بیوگی سے نجات پاکر باعزت زندگی بسر کرسکیں۔ ایک اور خاص مصلحت یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ قبائل کی قربت حاصل ہو کیونکہ عربوں میں عصبیت کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ حقیقتاً کثرتِ نکاح سے حضورؐ کی مصروف ترین حیاتِ طیّبہ کی فقیرانہ معاشرت پر بھاری بوجھ لاکر آپؐ نے انسانیت کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔

ایک اور مصلحت یہ تھی کہ جہاں مرد لوگ مردوں میں اسلام کی تبلیغ کریں خواتین مستورات تک اس مشن کو پہنچاتیں۔

صداقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ خاندان، ذاتی سیرت اور کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون تھیں۔ آنحضورؐ نے ہر وقت سیرت کو صورت پر ترجیح دی۔ پاکیزہ مزاجی کی یہ ایک زندہ مثال تھی۔ حضرتؐ نے ازدواجی لحاظ سے عمر کے بہترین پچیس برس معمر خاتون حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزار کر پچاس سال پورے کیے۔ آپؐ

Marfat.com

کے لیے نوجوان اور حسین ترین لڑکیوں کا کوئی فقدان نہ تھا۔ امہات المومنین حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت اُم حبیبہ، حضرت صفیہ، حضرت حفصہ اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ نکاح محض مختلف احباب اور قبائل کے ساتھ قرابت اور خلوص پیدا کرنے کا مقصد تھا۔ غرض سیاسی مصلحتیں بھی خاص اہمیت رکھتی تھیں۔

آپؐ ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح پر غور کر لیجیے۔ یہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ پہلے عبداللہ سے بیاہی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبش گئیں۔ وہاں شوہر نصرانی ہوگیا۔ مگر ام حبیبہ اسلام پر ڈٹی رہیں۔ جب بہت پریشان ہوئیں تو حضورؐ نے نکاح کا پیغام بھیجا اس سعادت سے ام حبیبہؓ پھولے نہ سمائیں۔ اسی طرح ام المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے شوہر غزوۂ اُحد میں شہید ہوتے تو آنحضورؐ نے بیوگی سے نکال کر اپنے حرم میں شامل فرمایا۔ رشتہ ہونے کی بنا پر یہ نکاح ایک گھریلو معاملہ تھا۔

ازواج مطہراتؓ کا مفصل ذکر آخر میں ہوگا۔

ابتدائی عمر میں قریبی دوستوں کا انتخاب

ازدواجی معاملات کے علاوہ آپ کے دوستوں کا معاملہ لیجیے۔ انکا انتخاب بھی سیرت ہی کو سامنے لا کر کیا گیا۔ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ دونوں قریب قریب ہم عمر تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپؐ کے دوست تھے۔ یہ دونوں حضرات خالص اچھے اخلاق اور پاکیزہ فطرت ہی کی وجہ سے آپ کے دوست بنے۔ سماج سدھار سوسائٹی میں بھی نیک اطوار لوگ ہی تھے جب ہی تو حضورؐ نے اس میں شمولیت فرمائی۔ ان رفقاء کے علاوہ آپؐ کی رفیقۂ حیات ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی بڑی حد تک دوستی بھی نبھائی۔ اپنی تمام جائداد بمع غلامان

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیئے اور حضورؐ نے سب غلام آزاد کر دیئے۔ بے شک آزادی کا یہ معاملہ قریش کے سماج کو پسند نہ آیا ہوگا۔کیونکہ غلامی کا سلسلہ اس وقت کے معاشرہ کا ایک اہم جزو تھا۔لیکن اس اخلاقی جرأت نے سب کو ہلا کر حیران کر دیا۔

مکدر اور ناسازگار ماحول سے بیزاری

وقت گزرتا گیا۔ ملک کی اخلاقی افتاد، شرک، فحش اور بے راہ روی سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلِ مبارک پر بوجھ بڑھتا گیا۔ آپؐ سوچتے رہے کہ ان سب خرابیوں کا ازالہ کیسے ہو سکے تو مکہ مکرمہ سے تین میل دور غار حرا میں جا کر راتیں گزاریں اور وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں محو اور منہمک رہے۔اس عبادت میں اس قدر دلچسپی لیتے رہے کہ بعض اوقات چند کھجوریں لے کر کئی کئی روز تک اس غار میں عبادت کے علاوہ قوم کو ملوث ماحول سے نکالنے کا راستہ تلاش کرتے رہے۔

جب آنحضور صلعم کی عمر مبارک ۳۳ برس کی ہوئی تو غیبی اسرار کے ظہور کا آغاز ہوا اور جب چالیس برس کے ہوئے تو نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی۔ فرمانِ بعثت کی یہ صورت ہوئی کہ رُوح الامین حضرت جبریل امینؑ غار میں سامنے آکر مخاطب ہوئے کہ "بشارت قبول فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں جبریل ہوں"

اس موقع پر ہیبت اور جلال کے بڑے سخت بوجھ سے آپؐ کو اضطراب سا ہوا۔ غار سے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ کے سامنے اس اضطراب کا ذکر فرمایا تو رفیقۂ حیات نے بڑی تسکین دی۔ اور سب سے پہلے اسلام لانے کا فخر حاصل کیا۔ انھوںؓ نے کہا کہ آپؐ کا خدا آپؐ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑے گا۔

Marfat.com

نزولِ قرآن

قرآن کا نزول ۱۸ ر رمضان سنہ (بعثت) جمعہ کے روز رات کے وقت شروع ہوا۔ سب سے پہلے وحی کی ابتدا اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ سے ہوئی اور جب یہ سلسلہ تکمیل تک پہنچا تو علم و حکمت کا ایک وسیع اور عمیق بحر بیکراں وجود میں آیا۔ قرآن شریف میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اور ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے دنیائے اسلام کا امام بنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے مخاطب اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا، تو اس کو دیکھتا کہ (پہاڑ) خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ (الحشر ۲۱) الحشر (28 پارہ)

اس مقدس کتاب میں وہ تمام ہدایات موجود ہیں جو اس دنیا میں پاکیزہ اور فعال زندگی گزارنے اور آخرت کے لیے حسنات حاصل کرنے کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اس کی فصاحت بے مثال ہی نہیں، حیران کن بھی ہے جو بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔ بلاشک قرآن مجید ہمارے وجود کا سرچشمہ ہے اور مہد سے لے کر لحد تک مسلمانوں کی زندگی پر محیط ہے۔ اس کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے کے صحیفے اپنی اصلی حالت میں نہیں رہے، اس کے برعکس قرآن مجید میں زیر یا زبر کی کمی بیشی بالکل ممکن نہیں۔ ایسا ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ اس کا تحفظ اللہ جل شانہ' نے اپنے ذمّہ لے لیا ہے اور ہر زمانے میں لاکھوں لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ "تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔" (الحجر۔ ۹)

جب سب سے پہلے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں تو آنحضور صلعم نے حضرت جبریل امینؑ کے سامنے امّی ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ بہر حال آنحضرتؐ کا امّی ہونا ایک لازمی امر تھا۔ بھلا ایک عام آدمی آپ کا معلّم کیسے بن سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے ذمّہ لے لیا تھا اور خود علم الکتاب نازل فرما کر

Marfat.com

علم کے بحر بیکراں سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کا اُمّی ہونا ہی منظور تھا کیوں کہ بصورتِ دیگر قرآن کو کوئی بھی معجزہ تسلیم نہیں کرتا اور اس وقت کے قریش مشرکین اور یہودیوں کو مخالفت کرنے کا ایک اور ذریعہ مل جاتا اور ان لوگوں کے الزامات بڑے بڑے شبہات پیدا کرتے۔

سیرت النبیؐ : تفسیر قرآن

یوں تو قرآن شریف کی تفسیر بہت سے علماء اور فضلاء نے لکھی ہے اور ہر نکتے کی اچھی طرح چھان بین کی ہے اور اس کی وضاحت کی ہے، پر اگر بہترین تفسیر کی تلاش مطلوب ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ پاکیزہ اور فعال تھی۔ ایک ایک قدم قرآنی ہدایات کے مطابق اٹھایا جاتا تھا اور ایک ایک لفظ جو زبان مبارک پر آتا، کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر نہیں ہوتا۔ کبھی کوئی کام ایسا سرزد نہیں ہوا جس پر کسی نکتہ چینی کی گنجائش ہو۔ ہر حال میں صداقت کی حمایت فرمائی۔ امانت میں کبھی خیانت نہ ہوئی۔ جو بھی معاہدہ ہوا اس پر سختی سے عمل فرمایا۔ حق کے معاملے میں چاہے کتنا بھی نقصان نظر آتا ہو کبھی سمجھوتہ پر آمادہ نہیں ہوتے۔ مظلوموں کا ساتھ دیا، ظالموں کو تنبیہہ کی۔ غرضیکہ پوری مبارک زندگی حسن اخلاق کی تفسیر تھی۔ خود آپ کی ہمراز حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار آپؐ کے بارے میں تصدیق کی کہ " احسن الناس ہونے کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کو عمر بھر کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور دوسروں کی زیادتیوں کو درگزر فرمایا ہر کسی سے عفو فرمایا حتیٰ کہ مکہ اور طائف کے بے رحم ظالموں سے بھی انتقام نہیں لیا۔ آپؐ عالمین کے لیے رحمت تھے، ظلم تو رحمت کی ضد ہے۔ جود و سخا کا یہ حال تھا کہ کسی نے جو مانگا، موجود ہوا تو دے دیا نہ ہوا تو ادھار لے کر عنایت فرمایا، ایسا بھی ممکن نہ ہوا تو دوسرے

Marfat.com

وقت آنے کو فرمایا تاکہ مانگنے والا مایوس نہ ہو جاتے۔ شجاعت کا یہ عالم تھا کہ نظریہ حق کو لے کر تن تنہا اٹھے اور زمانہ بھر کی مخالفتوں کے مقابلے پر جمے کھڑے رہے کبھی خوف یا کمزوری کا اظہار نہ فرمایا اور ہر نازک مرحلے پر توکل علے اللہ، عزم راسخ اور یقین محکم کا مظاہرہ فرمایا۔

اس عزم راسخ اور شوقِ کامل کے ساتھ آپ نے اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا۔

ابتدا میں یہ کام خفیہ طور پر دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو حضورؐ کے ہم مزاج دوست تھے، اس دعوت کو بغیر کسی تامل کے فخر کے ساتھ قبول کیا۔ ان کے علاوہ آپؐ کے پروردہ غلام زید بن حارث جو پہلے ہی حضورؐ کی بے لوث اور بے داغ زندگی اور نیک کردار سے متاثر تھے بغیر کسی چوں وچرا کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے تحریک محمدیؐ کا دلاور جانباز بنتے ہی اپنے حلقہ۔ احباب میں تندہی سے کام شروع کیا اور بہت سے ساتھیوں کو ہم خیال بنا کر اس نیک مشن کو تقویت پہنچائی۔ حضرت ابوذرؓ بھی تحریکِ اسلامی کے اس خفیہ دور میں ایمان لاتے۔

اس خفیہ دور میں دشمنانِ اسلام غلط فہمی کے شکار ہوتے اور خوش فہمی میں پڑ کر سوچنے لگے کہ یہ چند آدمی کچھ دنوں کے بعد باز آئیں گے۔ مگر سچ یہ ان کی خوش فہمی تھی۔ کاروان اسلام نے راستے کی دشواریوں کے باوجود منزل مقصود کی طرف اپنا سفر جاری رکھا اور آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

اعلان حق علی الاعلان

خفیہ دور کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ تین سال بعد آنحضورؐ کوہِ صفا

Marfat.com

پر کھڑے ہوتے اور لوگوں کو بلایا۔ باآواز بلند ان سے پوچھا "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک حملہ آور فوج چلی آرہی ہے تو کیا یقین کرو گے؟"

لوگ تو آپؐ کی صداقت سے پہلے ہی واقف تھے، یک زبان ہو کر جواب دیا "ہاں، کیوں نہیں"۔ اس طرح متفقہ اور باآواز بلند جواب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ عام کا یوں اظہار فرمایا۔ "تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ۔ ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہو گا"۔ آپؐ کے چچا ابولہب نے یہ سُنا تو لال پیلا ہو کر کہا۔ "غارت ہو جاؤ تم آج ہی کے دن"۔ اس کے ساتھی بہت غصے ہوتے اور سب وہاں سے چل پڑے۔

اس دعوتِ عام کا دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ عبدالمطلب کے سارے خاندان کو کھانے پر بلوایا۔ اس مجلس میں حمزہ، عباس اور ابو طالب جیسے اہم لوگ بھی شریک ہوتے۔ کھانے کے بعد حضورؐ نے مختصر سی تقریر فرمائی۔ اس تقریب میں تیرہ برس کا ایک لڑکا کھڑا ہو کر بول اٹھا:

"میں تو ایک ناتواں بچہ ہوں۔ لیکن اس مہم میں آپ کا ساتھ دونگا"

یہ حضرت علیؓ تھے۔

اس اہم واقعہ کو بھی شرکائے دعوت نے ایک مذاق سا سمجھا۔ مگر خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ وہی ناتواں بچہ علیؓ بعد میں شیرِ خدا بن کر اسلام کا دلاور اور نامور سپاہی۔ وہی فاتح خیبر کہلاتے۔ وہی رسولؐ خدا کے داماد، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے والد بزرگوار بنے اور انھیں کو باب العلم کا لقب ملا۔

دعوت جاری رہی مگر مخالفت اس حد تک بڑھی کہ یہ چند حضرات شہر سے دور گھاٹیوں میں جا جا کر نماز ادا کرتے رہے۔ ایک بار عین نماز کی حالت میں مشرکین نے دیکھا اور نماز کی ایک ایک حرکت پر پھبتیاں کسنے لگے، جب بوجہ نماز کچھ جواب نہ ملا تو لڑنے پر اتر آتے۔ اس دنگے میں مشرک کی تلوار نے سعد بن ابی وقاصؓ کو زخمی کر ڈالا۔

Marfat.com

بہر حال اب تک اسلامی جماعت چالیس افراد تک پہنچ چکی تھی اور طاقتور قرار دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی کھلم کھلا کلمۂ حق پکارنے کا حکم آگیا۔ اس حکمِ الٰہی کی بنا، پر آنحضورؐ نے ایک دن کعبہ میں کھڑے ہوکر توحید کا اعلان فرمایا۔ کفار امڈ کر آتے، ہنگامہ برپا ہوا اور رسولؐ پاک گھیرے میں آگئے۔ حارث بن ابیؓ شور وغل سن کر حضورؐ کو بچانے کے لیے دوڑے۔ کافی مدافعت کی مگر زخموں کی تاب نہ لاکر شہید ہوگئے۔ یہ حرکت درحقیقت کعبہ کی بے حرمتی تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے پاکیزہ جذبات اور عشقِ الٰہی کے مصالے سے ہوتے حرم پاک کے اندر یہ ناشائستہ اور ذلیل حرکت تھی۔

مگر شہید کا یہ خون رنگ لاتے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ کفار اور دوسرے دشمنانِ اسلام اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے، مگر بے جا الزامات، استہزا، تضحیک، گالی گلوج اور دیگر کمینہ حرکتوں کے باوجود غازیانِ اسلام کا جوش اور ولولہ اور زیادہ تیز ہوا، سب کچھ ہمت کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے مشن اور مقصد کو آگے بڑھاتے گئے۔ کفار نے بڑی کوشش کی کہ آپؐ کے حمایتیوں کو توڑا جائے مگر ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔

ابولہب ہرگز اس امر کو گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ بنی ہاشم کے گھرانے کے ایک شخص کی نبوت چلے۔ حالانکہ بنو ہاشم نے ایک دوبار یہ ارادہ بھی کیا کہ محمدؐ ہمارے ہیں اور ان کی بڑائی اور دین کا فروغ ہمارے لیے خیر و برکت کا موجب ہے۔ مگر بنو امیہ کے لیڈروں نے اپنا سارا زور بنو ہاشم کے ارادے کو دبانے پر صرف کیا۔ بلکہ انھوں نے آنحضورؐ کے چچا ابو طالب پر دباؤ ڈال کر آپ کو ان کی سرپرستی سے محروم کرنے کی بڑی کوشش کی مگر جناب ابو طالب نے ان کی باتیں ان سنی کردیں۔ قریش اپنی طرف سے داؤ پیچ کرتے رہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ چچا نے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو حضورؐ نے فرمایا۔ "چچا جان! خدا کی قسم یہ لوگ اگر میرے داتیں ہاتھ پر سورج

Marfat.com

اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس مقصد کو چھوڑ دوں تو بھی میں اس سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے یا میں اس جدوجہد میں ختم ہو جاؤں" (سیرت ابن ہشام)

یہ جواب سن کر قریش نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء پر سختیاں کرنے کے لیے ان تمام قبائل کو اکسانا شروع کیا جن میں تحریک اسلام کا کوئی فرد پایا جاتا تھا۔ ان پر بہت مظالم ڈھائے جانے لگے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ابوطالب کی ظاہری آڑ کھڑی کر کے ہر طرح سے حفاظت میں رکھا۔

آگے چل کر جب مخالفین کی صفوں سے خداوند کریم نے حمزہ اور عمر جیسی دو ہستیاں چن لیں تو کفار میں نئی ہل چل مچ گئی اور ان میں کمزوری کا احساس پیدا ہوا جب دیکھا کہ گل اسلام کی مہک دور دور تک پھیل رہی ہے تو وہ نئے نئے ڈھنگ تلاش کرتے رہے تاکہ اسلام کے بڑھتے ہوتے سیلاب سے بچاؤ ہو۔

منافق شامل ہو رہے ہیں

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت حق پر یقینِ کامل تھا۔ آپ کے سامنے کلمۂ حق کا مذہبی پہلو ہی نہیں تھا بلکہ سماجی اور سیاسی پہلو بھی مدنظر تھے۔ آپؐ کاروانِ حق کی رہنمائی کرتے ہوئے مشن کی منازل طے کرتے رہے اور سنگین مخالفتوں کو روندتے ہوئے نور اسلام کے شمع روشن کرتے گئے۔ بیرونِ مکہ نئے اور آخری نبیؐ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور بہت سے لوگ دیکھے بغیر دعوت حق کی صداقت سے متاثر ہوتے۔

اب قریش کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ باہر سے آنے والے لوگ بلا چون وچرا اسلامی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ یہ خیال سامنے رکھکر مکہ کے بعض قائدین اعلیٰ منافقانہ طور پر آنحضورؐ کے ساتھ رہنے لگے۔

Marfat.com

حج کے موقع پر قبائل عرب جوق در جوق اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ہر گروہ کے پاس جاتے رہے اور دعوتِ حق دیتے رہے۔ اس موقع پر منفی محاذ کے سردار سپٹپٹانے لگے کیونکہ ان کی چالوں کو محرومی اور مایوسی کا سامنا تھا۔ ولید بن مغیرہ کے ہاں قریش کے سردار جمع ہوئے اور سوچ وچار کرنے لگے۔ ولید نے خطاب کیا "موسم آپہنچا ہے، لوگ آنے والے ہیں۔ وہ سب اس آدمی (حضورؐ) کا قصہ سن چکے ہیں" وہ ضرور ان (حضورؐ) سے ملیں گے، سو متفق ہو کر اس معاملے پر غور کرو۔" حاضرین نے ولید پر فیصلہ چھوڑا۔ مگر ولید نے کہا کہ آپ لوگ خود ہی بات کریں، میں سنوں گا۔ دورانِ گفتگو حاضرین نے ذاتِ اقدسؐ پر کاہن، آسیب زدہ، شاعر اور جادوگر ہونے کے غلط الزامات لگائے مگر ولید نے ہر الزام کو غلط قرار دیا اور کہا "خدا کی قسم! اس (حضورؐ) کی باتوں میں مٹھاس ہے۔ دل پر بات اترتی ہے۔ البتہ تم اس لحاظ سے جادوگر کہہ سکتے ہو" چنانچہ اسی منصوبہ پر عمل کیا گیا اور آنے والوں کو ورغلانے کی کوشش کی گئی لیکن نتیجہ الٹا ہوا۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا عرب کے کونے کونے تک پھیل گیا اور آنحضورؐ کی پُراسرار شخصیت کا اثر دلوں کی گہرائیوں تک پہنچ گیا۔

مخالفانہ پروپیگنڈے کی مہم سے آپؐ کے چچا ابو طالب کو بڑی تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں عرب کے عوام اجتماعی مخالفت پر نہ اتر آئیں۔ انھوں نے ایک قصیدہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا۔ جس میں دعوتِ محمدؐ کے قبول کرنے سے انکار، مگر حضرت محمدؐ کی حفاظت کرنے پر اپنی جان تک قربان کرنے کا اقرار تھا۔

نصر بن حارث عجمی کہانیاں سناتا رہا اور زر خریدہ لونڈی سے لوگوں کو گانے سنواتا رہا تاکہ لوگ حضورؐ کی میٹھی اور دلآویز باتیں سننے سے باز رہیں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک تعمیری اور مفید پیغام کے مقابلے میں تفریحی ادب اور نسوانی نمائش دیرپا ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ ہوئی۔ مخالفین کو اپنی ناکامی کا

۳۲۳۶۰

Marfat.com

احساس ہوا اور وہ کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح سمجھوتہ کی راہ نکل آتے۔ ان کی یہ کوشش قدرے کامیاب ہوئی مگر ساتھ ہی سمجھوتہ میں بے تکی شرائط پیش کیں۔ ایک مدیہ تھی کہ حضورؐ ان کے اصنام کے خلاف کچھ نہ کہیں، وعظ و نصیحت کرتے رہیں مگر "لاالٰہ" نہ کہیں۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ نازل شدہ قرآن کو بالائے طاق رکھ کر دوسرا کوئی قرآن لایا جائے۔ اس پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور حضورؐ نے فرمایا "میں وہی کر سکتا ہوں جو اللہ چاہے۔ قرآن تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے"

حضورؐ اپنے حرم میں تنہا موجود تھے۔ قریش کی طرف سے عتبہ پیش ہوا اور کہا "اے برادر زادے! تمھارا جو کچھ مرتبہ ہمارے درمیان ہے، وہ تم خود جانتے ہو۔ خاندان بھر میں تمھارا مقام بلند ہے اور نسب کے لحاظ سے تم ایک شان رکھتے ہو"

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اور کیا کہنا چاہتے ہو؟" عتبہ نے کہا "اگر دولت چاہتے ہو تو ہم مالدار بنائیں گے، سردار بنا چاہتے ہو تو ہم سردار تسلیم کریں گے، بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمھیں بادشاہ بنائیں گے" حضورؐ نے فرمایا "اے ابوالولید! کیا تم اپنی بات کہہ چکے ہو؟" اس نے کہا "ہاں" آنحضورؐ نے حٰمٓ کی آیات سنائیں "یہ حٰمٓ ہے بڑی مہربان اور رحم والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہ نوشتہ ہے جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے۔ یہ قرآن ہے عربی زبان میں سمجھ بوجھ سے کام لینے والوں کے لیے۔ بشارت سنانے والا اور تنبیہہ کرنے والا۔ پس ان (مکّہ کے لوگ) میں سے بہت سے لوگوں نے اس سے روگردانی کی۔ وہ سن کر کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں۔ جس طرح تم بلاتے ہو ہمارے کانوں کو گرانی ہوتی ہے۔ اور ہمارے تمھارے درمیان روک حائل ہے۔ سو تم اپنی جگہ کام کرو اور ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں"

حٰمٓ کی پہلی پانچ آیات سن کر عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے لے کر چپ چاپ توجہ سے سنتا رہا۔ حضورؐ سجدہ آنے پر رُک گئے۔ سجدہ کیا اور فرمایا: "تم نے سُن لیا

Marfat.com

جو کچھ سنا۔ اب تم جانو اور یہ (کلام الٰہی)"

عتبہ نے اپنے ساتھیوں کے پاس جاکر اس بات کا ذکر کیا کہ آپؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اور قسم کھاکر کہا کہ آپؐ نے جو کلام سُنایا، اس کی فصاحت ہمارے ادب سے بہت بلند ہے۔ اور یقیناً اس سے کوئی بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ البتہ وہ جو کچھ بھی بنیں گے آپ کے لیے بنیں گے۔ ان نتائج سے تمھارے نصیب جاگ اٹھیں گے۔

عتبہ کی باتیں سن کر بڑے بڑے زعماء غروب آفتاب کے بعد کعبہ کے پاس جمع ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا بھیجا۔ آپؐ تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی پیش کش کو پھر دہرایا۔ جو عتبہ کے ذریعہ پہنچائی گئی تھی۔ حضورؐ نے جواباً فرمایا "تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جو دعوت پیش کر رہا ہوں وہ مال و دولت اور جاہ و حشمت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ خدا کی ہدایات تم تک پہنچاؤں۔ اگر اُسے قبول کرلو تو یہ دعوت تمھارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کرونگا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ میرے اور تم لوگوں کے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔"

جواب سے مایوس ہوکر ان لوگوں نے طرح طرح کی بے جا حجتیں نکالنا شروع کیں۔ مثلاً خدا سے کہو کہ پہاڑ کو ہٹا دے اور شام و عراق کی طرح دریا بہائے۔ آبا و اجداد کو زندہ کرے وغیرہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان بے معنی باتوں پر وہی باتیں دہراتے چلے گئے اور فرمایا کہ ان کاموں کے لیے خدا نے مجھے مبعوث نہیں کیا ہے۔

اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ کا تلخ سا جواب سن کر (اب تو خدا کی قسم! میں تمھارے اوپر ایمان نہیں لانے کا، خواہ تم آسمان پر سیڑھی لگاکر اس پر چڑھتے ہوئے دکھائی کیوں نہ دے جاؤ) دلِ مبارک قدرے رنجیدہ ہوا اور دل برداشتہ ہوکر گھر تشریف لے گئے۔ مگر اس دل برداشتگی کے باوجود حضورؐ اپنے یقینِ محکم پر مستحکم رہے اور دشمن کی دھمکیوں اور سودا بازیوں کے سامنے اپنے استحکام میں کوئی جھکاؤ ظاہر نہیں فرمایا۔ ایسا ضرور ہونا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہر

Marfat.com

لمحہ شامل حال تھی۔ "اگر ہم تم کو مضبوطی سے جمائے نہیں رکھتے تو بعید نہیں تھا کہ تم ان کی طرف کسی قدر جھکاؤ دکھا دیتے۔" (بنی اسرائیل ۷۴-۷۵)

وحشیانہ تشدد میں اضافہ

دعوتِ عام کی ابتداء کے ساتھ ہی تشدد اور ظلم وستم کی بھٹی اور زیادہ گرم ہوتی پانچ چھ برس تک علمبردارانِ نظام رحمت پر گوناگوں مظالم ڈھائے گئے۔ حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات کے بعد دشمنوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور براہِ راست آنحضورؐ کے خلاف زیادتیاں کی جانے لگیں۔ لیکن جو مصائب رسولِ کریمؐ کے رفقاؓ نے برداشت کیں وہ بھی بالواسطہ آپ ہی کو دکھ دیتی رہیں۔ جناب ابن الارث تمیمی جاہلیت کے زمانے میں غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے تھے۔ ایمان لائے تو قریش نے جلتے انگاروں پر لٹا دیا۔ چھاتی پر ایک شخص کھڑا ہوگیا تاکہ وہ کروٹ بدل نہ سکیں۔ حضرت بلالؓ حبشی امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ عین سورج کے نصف النہار پر آنے کے وقت ان کو تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ سمیہؓ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں۔ ان کے اسلام لانے پر ابوجہل نے بے رحمانہ انداز سے برچھی ماری اور شہید کر دیا۔ حضرت عثمان جو عمر اور وقار کے لحاظ سے قابلِ احترام تھے، جب دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو چچا نے رسی سے باندھ کر پیٹا۔ حضرت ابوذرؓ نے اسلام لاتے ہی کعبہ میں آکر اعلان کیا، قریش نے مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا وہ مار ہی ڈالتے مگر حضورؐ کے چچا عباس نے تجارت کی سہولت کا حوالہ دے کر اس وقت ظالموں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ خالدؓ بن العاص کے قبولِ اسلام پر باپ نے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہوگیا۔ علاوہ ازیں ان کو فاقہ کا عذاب بھی دیا گیا۔

یہ تو محض چند ایک مثالیں "مشتے نمونہ از خروارے" اس لیے پیش کی جاتی ہیں

کہ یہ تشدّد، جور و ستم اور قسم قسم کے مظالم اسلام کے متوالوں اور عاشقانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے کارگر ہتھیار ثابت نہ ہوتے۔ عذاب سہتے سہتے ان مظلوموں کی زبانوں پر لاالٰہ الّا اللہ اور اللہ اکبر کے سوا ذاتی بچاؤ کے لیے ایک لفظ تک نہ آیا۔ کاروانِ اسلام اپنی منازل اور اپنے پاک مقاصد سے ہمکنار ہوتا گیا۔ اللہ اکبر۔

ہجرتِ حبشہ

جب رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ظلم بڑھتا ہی جارہا ہے، خدا پر ایمان، اس کی مدد اور اپنی سوز بھری دعاؤں کے سوا دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو رفقاءِ کرام کو تسلی دی کہ خدا کوئی نہ کوئی مدد ضرور کرے گا اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ نظامِ حق کی تاسیس اس ناساز گار ماحول میں مخدوش ہے اور کسی دوسرے ملک کو شاید یہ سعادت ملنے والی ہے تو نبوت کے پانچویں سال حضورؐ کی انقلابی جماعت کے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کی زیر قیادت رات کے اندھیرے میں حبشہ کے لیے روانہ ہوا۔ حضرتِ عثمان کی زوجہ محترمہ یعنی رسولِ خدا کی صاحبزادی جنابہ رقیہ بھی سفر ہجرت پر نکلیں۔

دشمنوں کے تعاقب کے باوجود یہ جماعت حبشہ پہنچ گئی، مگر تھوڑا ہی عرصہ حبشہ میں رہی، کیونکہ ایک غلط افواہ ان تک پہنچ گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، اس طرح واپس آکر بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ کچھ لوگ چھپ کر شہر میں آتے اور کچھ لوگ کسی کی حمایت حاصل کر کے داخل ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سے زیادہ ظلم وستم ——— ان پر ڈھاتے گئے۔

دوسری بار بہت بڑا قافلہ جس میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں شامل تھیں حبشہ پہنچ گیا۔ وہاں خدا کی مہربانی سے ان کو پُرامن اور ساز گار فضا ملی اور اچھی طرح سے

اسلام کے تقاضے پورے کرتے رہے۔

اسلام کے دشمنوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارت کے لیے مامور کیا۔ یہ شاہ حبش کے پاس گئے کہ مہاجرین کو واپس لے آئیں۔ بڑے بڑے تحائف دے کر درباریوں اور پادریوں کی مدد سے سفارشیں حاصل کرنے لگے۔

جب بادشاہ نے مہاجرین کو بلوایا تو سفیروں نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہ مہاجرین بھگوڑے مجرم ہیں۔ انھوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان بپا کر لیا ہے۔ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نجاشی نے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے علاوہ وہ کونسا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے؟۔

مسلمانوں کی ترجمانی حضرت جعفرؓ نے کی اور شاہ حبش سے اجازت مانگی کہ وہ سفارت مکہ سے کچھ سوالات کریں۔ اجازت ملی تو مکالمہ یوں شروع ہوا۔

حضرت جعفرؓ : کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ کر آئے ہیں؟

عمرو بن العاص : نہیں یہ لوگ آزاد شرفاء ہیں۔

حضرت جعفرؓ : کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر آئے ہیں؟

عمرو بن العاص : نہیں کوئی خون نہیں ہوا ہے۔

حضرت جعفرؓ : کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟

عمرو بن العاص : نہیں۔ ان کے ذمے کسی کا کچھ بھی نہیں ہے۔

اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن واضح ہوئی تو حضرت جعفرؓ یوں مخاطب ہوئے:۔

"اے بادشاہ سلامت! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پرست تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کیا کرتے تھے، ہمسائیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ اسی اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور دیگر صالح اوصاف سے ہم پہلے ہی واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور پتھروں کو پوجنے سے روک دیا۔ سچائی پر قائم رہنے اور خونریزی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ نماز، روزہ اور صدقہ خیرات کا سبق دیا۔ ہم نے اس کی باتوں پر عمل کیا اور اندھیرے سے اجالے کی

طرف آئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ پھر واپس جا کر بت پرستی شروع کریں۔ پس ہم اپنا ایمان اور اپنی جانیں لے کر آپ کی پناہ میں آئے ہیں۔ اگر اپنی قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے "۔

خدا ترس نجاشی کا دل یہ باتیں سن کر موم ہوا۔ کہنے لگا کہ ذرا قرآن کا کوئی بھی حصّہ سناؤ جو تم لوگوں پر اترا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کا ایک حصّہ پڑھا۔ آیاتِ الٰہی سن کر بادشاہ کی آنکھیں پُرنم ہوئیں اور بے اختیار پکار اٹھا " خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور یہ کہا کہ محمدؐ وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیحؑ نے دی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے رسول کا زمانہ نصیب ہوا "۔

اس کے بعد یہ کہہ دیا کہ مہاجرین کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ تمام تحائف واپس کر دیئے گئے اور مکّہ کا سفارتی وفد مایوس اور ناکام ہو کر واپس لوٹا۔

ایک حیران کن واقعہ

حضرت عمرؓ ستائیسویں سال میں تھے جب نبوتِ محمدیؐ کا علم بلند ہوا۔ آپ کے بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے تھے۔ خاندان ہی سے نعیم بن عبداللہ نورِ اسلام سے منور ہوتے تھے۔ ان سب کے ایمان لانے پر عمرؓ بیزار ہوتے اور ان کے جانی دشمن بنے۔ ان کے خاندان ہی سے جب ایک کنیز لبینہ نے دعوتِ حق قبول کیا تو اس بچاری کنیز کو جب مارتے مارتے تھک جاتے تو دم لیتے اور تازہ دم ہو کر پھر مارنا شروع کر دیتے۔

آخر ایک دن فیصلہ کیا کہ کیوں نہ داعیٔ حق ہی کو ختم کر لیا جائے۔ تلوار لے کر چلے تو راستے میں نعیم بن عبداللہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انھوں نے کہا کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور بہن، بہنوئی سے نپٹ لو۔ فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ بھائی کی آہٹ پا کر خاموش ہو گئیں اور قرآن کے اوراق

Marfat.com

چھپالیے عمرؓ نے پوچھا کہ کیا پڑھا جارہا تھا۔ بہن نے ٹالنے کی کوشش کی۔ عمرؓ کہنے لگے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو چکے ہو۔ اور فوراً بہنوئی پر ٹوٹ پڑے۔ بہن نے بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی تو ان کو اتنا مارا کہ سارا جسم لہولہان ہو گیا اور آنسوں بھری آنکھوں سے عزم کے ساتھ کہنے لگیں "عمر! جو کچھ کر سکتے ہو، کرلو۔ لیکن اسلام اب ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔"

بہن کے جذبات اور عزیمت کے بول سے عمرؓ بہت متاثر ہوئے اور کہا "جو تم پڑھ رہی تھیں، مجھے بھی لاکر سناؤ" وہ گئیں اور اجزائے قرآن کے یہ الفاظ سامنے آئے "آمنوا باللہ ورسولہ" تو بے اختیار پکار اٹھے "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

ایمان کی دولت سے مالامال ہوتے ہی تحریک حق کے مرکز خانۂ ارقم کی طرف چلے۔ جب وہاں پہنچے تو کواڑ بند تھے۔ آواز دی۔ جو مسلمان وہاں موجود تھے، عمرؓ کو تلوار لیے دیکھ کر ڈرے۔ حضرت حمزہ نے کہا۔ آنے دو۔ اگر خلوص کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے سر قلم کر دیا جائے گا۔ دروازہ کھلا اور حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آنحضورؐ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟" عرض کیا "ایمان لانے اور بیعت کرنے کی غرض سے۔"

یہ سن کر خوشی کے مارے ایسا نعرہ بلند ہوا کہ سارا ماحول اور مکّہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اس مسرت آمیز واقعہ سے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ان کی قوت بڑھ گئی ہے۔ اور جا کر کعبہ میں پہلی بار نماز باجماعت علی الاعلان ادا کی۔ اس سے پہلے مسلمان کافروں کی بدکرداری اور ذلیل حرکتوں کی وجہ سے کعبہ میں نماز باجماعت نہیں پڑھتے تھے۔

اس بات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا کہ ایمان لانے سے پہلے بھی حضرت عمرؓ کو مکّہ کے جوانوں میں مثبت جذبات اور ذہانت کی بنا پر بلند اور امتیازی مقام حاصل تھا۔ جو کچھ بھی کرتے کسی اصول کے تحت کرتے تھے۔

Marfat.com

امیر حمزہؓ بھی ایمان لائے

امیر حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ عمر میں صرف دو تین برس بڑے تھے۔ چنانچہ اس ہم عمری کی وجہ سے دونوں میں گہری دوستی تھی۔

ایک دفعہ کوہ صفا کے پاس ابوجہل نے حضورؐ پر دست درازی کی اور بدکلامی سے کام لیا۔ حضورؐ نے صبر کیا۔ اذیت برداشت کی مگر کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جذعان کی لونڈی سے سارا ماجرا سن کر حمیت جاگ اٹھی۔ سیدھے قریش کی مجلس میں پہنچے۔ ابوجہل کے سر پر کمان ماری اور کہا۔ "کیا تم نے محمدؐ کو گالیاں دیں؟ اگر ایسا ہو تو میں بھی مسلمان ہوں۔ ہمّت ہے تو مقابلے پر اتر آؤ" اس وقت سے حضرت حمزہؓ اسلام پر ڈٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد یقینی طور پر اسلام نے بہت زیادہ تقویت حاصل کی۔ الحمدللہ۔

ایک اور امتحان —— بائیکاٹ

جب کفار نے دیکھا کہ حق کا سیلاب تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور بڑی اہم ہستیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ تو تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ خاندان بنو ہاشم سے مکمل بائیکاٹ کیا جائے تاکہ کسی طریقے سے آپس میں کوئی واسطہ نہ رہے۔ نہ ان سے کوئی شادی بیاہ کرے اور نہ خرید و فروخت۔ اور محمدؐ کو کافروں کے حوالے کر دیں۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ میں لٹکایا گیا۔

جناب ابوطالب خاندان کے سب لوگوں کو لے کر ایک درّہ میں چلے گئے جو شعب ابوطالب کہلاتا ہے۔ یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ کر پناہ لی۔ اس طرح گویا سب لوگ اس درّہ میں نظر بند ہو گئے۔ اور تقریباً تین برس تک بہت تکلیف اور مصائب

Marfat.com

برداشت کرتے ہوئے وہاں رہے۔ پتیاں کھائیں اور سوکھا چمڑا بھون کر کھایا مگر کسی ایک نے بھی راہ حق کو نہ چھوڑا۔ یہ حالت صبر کی انتہا تھی۔

بالآخر کافروں میں تُو تُو مَیں مَیں ہوگئی۔ ایک دوسرے کو معاہدہ کی انوکھی تشکیل کا ذمّہ دار ٹھہرایا اور اس طرح معاہدہ ٹھپ ہوگیا۔

نظربندی کا دور تو ختم ہوا۔ بظاہر آزادی کا دور آیا مگر درحقیقت تشدّد کا زور پھر بڑھ گیا۔ ایک مصیبت یہ آئی کہ حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب فوت ہوئے۔ اس سانحہ سے آنحضورؐ کا ظاہری سہارا ختم ہوا۔ اسی سال (نبوت کا دسواں کا سال) حضورؐ کو دوسرا صدمہ یہ ہوا کہ حضرت خدیجہؓ بھی رحلت پا گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن انھوں نے دورِ رسالت سے قبل مونس اور غمگسار ہونے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ان صدمات کی وجہ سے مخالفت کی شدّت میں اور اضافہ ہوا۔ قریش انتہائی ذلیل حرکتوں پر اُتر آتے۔ اوباش لونڈے پیچھے لگا دیئے جاتے تاکہ وہ شور مچاتے رہیں اور جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کچھ پڑھتے تو لفنگے شور مچاتے اور گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے۔ کسی راستے سے چلتے تو غلاظت پھینک دی جاتی اور رُوئے اقدس پر خاک پھینک دی جاتی۔ دروازے کے آگے کانٹے بچھائے جاتے۔ کیا کچھ نہ کیا جاتا۔ لیکن پھر بھی ان لوگوں کے لیے حضورؐ ہمیشہ ہدایت کی دعا فرماتے اور کبھی بھی بد دُعا زبانِ مبارک پر نہیں لاتے۔

ایک بار رسولِ اکرم صلعم بیت اللّٰہ کا طواف کر رہے تھے اور جب ابوجہل اور اس کے ذلیل ساتھیوں کے پاس سے گزرتے تو سب اوباش حضورؐ کو گالیاں دیتے رہتے۔ جب دوسری اور تیسری بار بھی وہ کمینہ حرکتوں سے باز نہیں آتے تو حضورؐ نے فرمایا: "بخدا! تم باز نہیں آؤ گے، جب تک خدا کا عذاب تم پر ٹوٹ نہ پڑے۔"

حضرت عثمان رضی اللّٰہ عنہ کا بیان ہے کہ سب کے سب ہیبتِ حق سے کانپ اٹھے۔

جب حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلّم گھر کو تشریف لے گئے تو یوں خطاب فرمایا "تم لوگوں

کو بشارت ہو۔ اللہ جل شانہٗ یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے کلمۂ حق کی تکمیل کرے گا۔ اور یہ لوگ جنھیں تم دیکھتے ہو۔ اللہ تعالےٰ ان کو بہت جلد تمھارے ہاتھوں ذبح کرے گا۔

طائف کا سفر

چنانچہ مکہ میں مخالفت کا زور بڑھتا ہی گیا۔ جو قیمتی اور کار آمد موتی اصحاب کی شکل میں حاصل ہوتے تھے ہو چکے تھے اور باقی ضدی اور سرکش لوگ رہ گئے تھے۔ تو طائف کا رُخ کرنے کا خیال آیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کا پیغام سنائیں۔

مکہ سے چالیس میل کے فاصلے پر طائف کا شہر تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ بن حارث کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے۔ وہاں کے رئیسوں کو دین حق کی دعوت دی۔ مگر افسوس! ان میں سے ایک نے بھی دعوت قبول نہ کی۔ اس پر ہی بس نہ کیا۔ بازار کے شریروں کو ابھارا کہ وہ آپ کو تنگ کریں۔ وہ سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے جب آپ ادھر سے گزرتے تو آپؐ کے پائے مبارک پر پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا جاتا۔ آخر ایک باغ میں پناہ لی۔ اس بے کسی کی حالت میں ایک فرشتہ نظر آیا جس نے خدا کا پیغام سنایا کہ اگر آپ چاہیں تو طائف کے ان پہاڑوں کو لوگوں پر دے مارا جائے کہ وہ سب کے سب کچل کے رہ جائیں۔

آپؐ تو عالم کے لیے رحمت تھے۔ آپؐ نے کہا "یا اللہ! ایسا نہ کیجیو۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی نسل سے کوئی تیرا ماننے والا پیدا ہو۔"

بہرحال طائف کے ناکام سفر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم راسخ پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ حج کے موقع پر آنحضرتؐ نے ہر قبیلے کے گروہ کے پاس جا جا کر وعظ کہنا اور قرآن شریف کی آیات سنانا شروع کر دیں۔ یہ عمل بالکل زود اثر اور تسلی بخش رہا۔ حالانکہ طائف کے سفر کے وقت باطل کا زور انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ اب اس کا

Marfat.com

زوال نزدیک اور حق کی فتح نزدیک تھی۔ کاروانِ حق منزل مقصود کی جانب کامرانی کے ساتھ بڑھتا گیا۔ کیوں نہ ہو؟ جب طائف کے اوباشس ذلیل حرکتوں پر اتر آتے اور ذہنی عذاب کے علاوہ جسمانی تکلیفیں دیں تو زبانِ مبارک پر یہ دعا آئی " الٰہی! اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سرو سامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ حریف بے گانہ کی ترش روئی کی کوئی پرواہ نہیں، اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے۔ بس تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ مجھے تیری رضامندی اور خوشنودی کی طلب ہے۔ بجز تیرے کہیں سے کوئی قوت نہیں مل سکتی۔"

اوس اور خزرج میں اسلام کا اثر

انہی قبیلوں میں شہر یثرب کے رہنے والے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج بھی تھے ان کا پیشہ کاشتکاری تھا۔ ان کے آس پاس یہودی آباد تھے جو سوداگر اور مہاجن تھے۔ وہ ان دو قبیلوں کو قرض دے کر بڑی سختی کر کے قرض وصول کرتے تھے۔ یہ قبیلے آپس میں بھی برسرِ پیکار رہتے تھے۔ لڑ لڑ کر اور یہودیوں کے پھندہ میں پھنس کر تباہ ہو گئے تھے اور مالی حالت بالکل پتلی ہو چکی تھی۔

یہود کی آسمانی کتاب تورات میں ایک پیغمبر کے آنے کی خبر کا ذکر یہود کی اکثر محفلوں میں ہوا کرتا تھا اور یہ آواز اوس اور خزرج کے کانوں میں پڑا کرتی تھی۔

نبوت کے دسویں سال رجب کے مہینے میں قبیلوں کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کے مقام پر ان سے جا ملے اور حضورؐ نے خدا کا کلام سنایا ان لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا کہ یہ وہی پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے سبقت لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے متفقہ طور پر اسلام قبول کیا۔

Marfat.com

یہ چھ آدمی تھے۔

دوسرے سال یثرب کے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے۔ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کوئی آدمی بھیجا جائے جو اوروں کو دعوتِ اسلام دینے کے علاوہ ہم کو اسلام کے تقاضوں کی تربیت دے۔

اگلے سال جب حج کا موسم آیا تو یثرب سے بہتر آدمی آئے اور چھپ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کی۔ آپؐ کے چچا عباس نے جو اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت گواہی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے خاندان میں بڑی عزّت اور وقار رکھتے ہیں۔ اگر آپ ہمیشہ آپؐ کا ساتھ دیں گے تو ٹھیک ہے، ورنہ جواب دو۔ یثرب کے ایک سردار براؔ نے کہا کہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ دوسرے سردار ابوالہثیم نے ساتھ ہی کہا "یارسول اللّٰہؐ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان تعلقات ہیں اور اس بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کی طاقت بڑھ جائے گی تو آپ ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا "تمھارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں"۔ ہمدردی کا یہ اظہار سن کر وفد کے افراد کا دل شاد ہوا رحمتِ عالمؐ نے ان میں سے بارہ نقیب (سردار) منتخب فرمائے۔ ان کے نام خود انہی لوگوں نے چن کر بتاتے تھے۔ ان ۱۲ میں سے ۹ خزرج اور ۳ اوس کے تھے۔

معراج النّبیؐ

معراج کی حقیقت یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کو قربِ الٰہی کا انتہائی بلند مقام عطا کیا گیا کیوں کہ آپؐ نے باطل کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید قسم کے مصائب سہے تھے۔ پس اللہ تعالٰے نے اپنے محبوبؐ کو اپنے ہاں کا بلند ترین اعزاز دینے کیلئے اپنے دربار میں طلب فرمایا کہ تمام حقائق کا مشاہدہ ہو۔

Marfat.com

رجب کی ۲۷ تاریخ سنہ ۵ میلادیا سنہ ۱ بعثت بروز دوشنبہ رات کے اندر جبریل امینؑ اندر رکاب ہوتے اور سب سے پہلے تحریک دین کے پہلے مرکز بیت المقدس جاکر عالم بالا کو پرواز کر کے سابق انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقی ہوتے اور امامُ الانبیاء ہونے کا فخر اور امتیاز حاصل کرلیا۔ اور صاحبِ قاب قوسین کا بلند ترین مرتبہ حاصل ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سابق انبیاء علیہم السلام کو بھی موقع بہ موقع شرف دیا جاتا تھا کہ وہ حقائق الٰہی کے مشاہدات سے سرفراز ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی سماوات کا مشاہدہ کرایا گیا، حضرت موسٰے علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلاکر اور ایک درخت کی اوٹ سے "اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" کہہ کر ہمکلامی سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر دوسرے موقع پر ایسے ہی لمحۂ قرب میں شریعت کے احکام تفویض فرماتے۔ گویا کسی نہ کسی طور پر معراج جلیل القدر انبیاء سلف کو حاصل ہوئی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معراج کی شان ہی کچھ اور ہے۔

اس لمحۂ قرب میں جو خاص وحی دی گئی فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی سورۃ النجم وہی سورۃ بنی اسرائیل کے عنوان سے ہمارے سامنے ہے۔ اس سورۃ کا آغاز ہی واقعہ اسرائیل کے تذکرہ سے ہوتا ہے اور پھر پوری سورۃ میں معراج کی روح رچی بسی ہے۔

۱۔ مکّہ کے ناسازگار ماحول میں واضح الفاظ اور فیصلہ کن انداز میں فرمایا گیا کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (آیت ۸۱) حق آگیا ہے اور باطل اب دم دبا کر بھاگنے والا ہے۔ اندھیرا ختم ہونے والا ہے اور صبح آنے والی ہے۔

۲۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اہل مکہ اب آپ کو نکال دینے کے درپے ہوں گے۔ مگر آپؐ کو نکال دینے کے بعد زیادہ دیر تک امن چین سے نہ رہ سکیں گے (آیت ۷۶)

۳۔ دعائے ہجرت یوں سکھائی گئی: اے میرے رب! مجھے صدق کے دروازے سے داخل کر، اور صدق ہی کی راہ سے نکال اور مجھے اپنی بارگاہ سے اقتدار کی صورت میں مدد نصیب کر (آیت ۸۰)۔

Marfat.com

جب اس معراج کی اطلاع حضورؐ نے دی تو مکہ بھر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ آپؐ نے مجمع عام میں اپنے مشاہدات بیان فرمائے۔ بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچ لیا۔ راستے کی تمام علامات کا ذکر فرمایا۔ بعد میں سب مشاہدات کی تصدیق ہوئی۔

اس بے مثال واقعہ اور بشارتوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ بلند ہوا۔ حضورؐ پہلے انتہائی ناسازگار ماحول اور حوصلہ شکن حالات کی موجودگی کے باوجود قطعی یقین سے مالامال تھے کہ صبح نو کا مطلع یثرب ہوگا۔ یثرب پکار رہا تھا کہ "میں مدینۃ النبیؐ بننے کو حاضر ہوں۔ میری گود میں نظام حق پرورش پائے گا۔ اور میرے گہواروں میں نئی تاریخ پروان چڑھے گی۔"

طائف قریب تھا اور دور ہوگیا۔ یثرب دور تھا اور قریب ہوگیا

(اقتباس محسنِ انسانیت)

در شبِ معراج بود رحؐ جبرئیل اندر رکاب
پا نہادہ بر سرِ گنبدِ خضرا توئی
(شمس تبریزیؒ)

ہجرت النبیؐ

جب مکہ کے مشرکین کا زور بڑھتا گیا اور وہ حضورؐ کی جان کے درپے ہوتے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج کی سعادت سے مالامال تھے اور دعائے ہجرت سے آپؐ کا یقین محکم اور حوصلہ مستحکم ہو چکا تھا، محسوس کرنے لگے کہ مکہ کو چھوڑ کر یثرب ہی میں نخلِ اسلام بارآور ہوگا۔ اس کی جڑیں مضبوط ہوں گی اس کے پھولوں کی مہک دور دور کے علاقوں کو معطر بنا دے گی۔ نورِ حق کی مشعل کفر کی تاریکیوں کو روشنیوں میں بدل دے گی۔ کفر کی گھٹا چھٹ جائے گی۔ اسلام کا سورج مطلع تاباں سے بقعہ نور بنکر نکل آئے گا۔ باطل کے چاند ستارے ماند پڑ جائیں گے۔

Marfat.com

بہرحال اب مسلمانوں کی طاقت منظم ہو چکی تھی مگر مکّہ کی شدّت بھی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مظالم برداشت سے باہر ہو گئے تھے اور علمبردارانِ حق کا جام صبر لبریز ہو چکا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حتمی طور پر محسوس ہوا کہ اب دار الہجرت یثرب ہی ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اشارات میں اس امر کی تائید موجود تھی کہ آپؐ نے اپنے رفقاءؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اصحابؓ کرام یکے بعد دیگرے جانے لگے۔ اپنے رفقاء خاص میں سے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما کے سوا سب مکّہ چھوڑ چکے تھے سوائے ان مسلمانوں کے جنھیں قریش نے روک رکھا تھا۔

قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ اب حضورؐ کے خلاف کیا کاروائی کی جائے۔ بہت سی تجاویز پیش ہوئیں مگر کسی ایک پر اتفاق نہ ہوا۔ ابوجہل کی تجویز پر آخر سب متفق ہوئے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان لیا جائے اور سب کو تلواروں سے لیس کیا جائے۔ پھر مل کر سب حضرت محمدؐ پر حملہ کر کے کام تمام کر دیں تاکہ خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنو عبد مناف اتنے قبائل سے خون کا بدلہ لینے کا خیال ہی نہ کرے۔ میٹنگ ختم ہوئی اور اس میٹنگ کی کاروائی کا قرآن نے یوں تبصرہ کیا۔ "اور یاد رکھو اس گھڑی کو جب کفار تدبیریں کر رہے تھے کہ آپؐ کو قید میں ڈالیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کریں۔ وہ اپنی سی تدبیریں لڑاتے رہے اور اللہ جواباً دوسری تدبیریں کرتا رہا۔ اللہ تدبیر کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ (الانفال - ۳۰)

کفّار حضورؐ انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے مگر اللہ تعالےٰ کی قدرت سے بالکل بے خبر تھے۔ خداوند کریم نے ان کی ذلیل تدبیریں مٹّی میں ملا دیں۔

قرآن شریف کی خوش خبری کو سامنے رکھ کر آنحضورؐ دوپہر کو اپنے محبوب ترین دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور رازدارانہ انداز سے اطلاع دی کہ ہجرت کی اجازت آگئی ہے۔ رفیقِؓ خاص نے ساتھ آنے کی درخواست کی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قبول فرمائی۔ فرطِ مسرت سے حضرت ابو بکرؓ کی آنکھیں پُرنم ہوئیں۔ دو اونٹنیاں پیش کیں۔ مگر حضورؐ نے اصرار کے بعد ایک اونٹنی جس کا نام جدعاء تھا

قیمت دے کر قبول فرمائی۔

رات ہوئی۔ حضور صلعم اپنے مکان میں نہ سوئے اور اپنے پیارے رفیق حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر بلا خوف سو جانے کی ہدایت فرمائی۔ ساتھ ہی لوگوں کی امانتیں اپنے اپنے مالکوں کو ادا فرمائیں۔ آنحضورؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر وارد ہوئے۔ جنابہ اسماؓ بنت ابو بکرؓ نے کھانے کی پوٹلیاں اور پانی کا مشکیزہ کمر بند کے دو ٹکڑوں میں باندھ کر دیا اور رات کی تاریکی میں روانہ ہوئے اور مادر وطن مکہ کو الوداع کہی۔ آخری سلام کیا جس میں آپؐ کی دعاؤں کی لہریں اب بھی عرب کی فضاؤں میں متحرک ہیں۔ حضورؐ نے آخری نگاہ ڈالتے ہوئے یوں خطاب فرمایا "خدا کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہترین زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبوب۔ اگر یہاں سے مجھے نکالا نہیں جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا"

عبداللہ بن ریقطہ کو اجازت دے کر گائڈ مقرر فرمایا اور تین روز غار ثور میں گزارے۔ حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامرؓ کو بھی ساتھ لیا۔

جب کفار نے بستر میں حضورؐ کے بجائے حضرت علیؓ کو دیکھا تو پریشان ہوئے اور کھوج شروع کی۔ جب دشمن غار ثور کے منہ تک آ گئے تو حضرت ابو بکرؓ گھبرا کر بولے کہ یا رسولؐ اللہ! دشمن بہت قریب آ گئے ہیں اور خطرہ بڑھ رہا ہے۔ مگر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطمینان کا وہی حال تھا۔ فرمایا "گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ اسی دوران میں جب دشمنوں نے مکڑی کا جال دیکھا تو غار کے اندر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

چوتھے روز دونوں غار ثور سے باہر آئے اور ایک دن اور ایک رات چلتے ہی رہے۔ دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے نیچے دم لیا۔ یار غارؓ ایک چرواہے سے دودھ لائے۔ حضورؐ نے نوش فرمایا۔ (غار ثور سے نکلنے کی تاریخ ۲۷ صفر ۵۳ میلاد ہے) سفر جاری رکھا۔

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ دو مہاجروں میں سے جس کسی کو بھی کوئی شخص قتل

Marfat.com

کردے یا گرفتار کر کے لائے • اس کے لیے سو اونٹ کا انعام ہے۔ سراقہ بن جشم ایک خوبصورت نوجوان سپاہی تھا۔ انعام کے لالچ میں آیا' ہتھیار باندھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر تلاش میں نکلا۔ اسے خبر ملی تھی کہ مہاجروں نے ساحل کا لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ اور یہ کہ ساحل پر دو آدمی دیکھے گیے تھے۔ چٹان کے نزدیک آکر اُس نے مطلوب حضرات کو پایا۔ گھوڑا دوڑا کر چاہا کہ چٹان کے اور نزدیک آکر حملہ کر لوں لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ دوبارہ گھوڑا دوڑایا تو اس بار گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے تب وہ ڈرا اور سمجھا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ حضورؐ کے نزدیک آیا اور عرض کی "اے خدا کے رسول! مجھے معاف کیجیے میں اپنے بُرے ارادے سے دست بردار ہو رہا ہوں۔ آپؐ تحریری امان دے دیجیے" گویا اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ان گراں قدر ہستیوں کے طفیل ایک نیا دور آنے والا ہے امان لکھ دی گئی جو اسے فتح مکّہ کے دن کام آئی۔ اس موقع پر سراقہ کو ایک بشارت بھی دی گئی "اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا" یہ پیشن گوئی حضرت عمرؓ کے دور میں فتح ایران کے موقع پر پوری ہو گئی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب پہنچنے پر اس شہر کا نام مدینۃ النبیؐ پڑا اور آج مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

مدینہ کے لوگ بے تابی کے ساتھ اپنے مہمانِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار شریف کے لیے منتظر تھے۔ گلی کوچوں میں مسرت اور جوشیلے جذبات کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ جب حضور پُرنور تشریف فرما ہوئے تو چھتوں پر چڑھ کر لوگ گانے لگے اور نعرۂ تکبیر سے سارا شہر گونج اٹھا۔

اس طرح مکّہ کے لوگ جو اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے، ان کو پستی میں دھکیلنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اور جن کو نچلے درجے پر رکھا جاتا تھا۔ ان کو اٹھا کر اوپر لایا جا رہا تھا۔

ہجرت ہی سے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا ہوئی اور محرم کو پہلا مہینہ قرار دیا گیا حالانکہ ہجرت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ بارہ مہینوں کی ترتیب یہ ہے۔

Marfat.com

محرم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جمادی الاوّل، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوّال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔

یثرب میں ورود کے موقع پر بنی النجار کی لڑکیاں یہ شعر گا رہی تھیں ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَار   یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

ہم لڑکیاں ہیں بنی نجار کی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں!!!

اور فرطِ مسرت سے ہر خورد و کلاں کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

جَاءَ نَبِیُّ اللّٰہِ، جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آئے اللہ کے نبی، آئے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مکّہ اور مدینہ — دونوں میں حالات اور فضا کا اختلاف

مکّہ کی ساری آبادی باہم دگر مربوط تھی، اور مذہبی قبیلوں اور معاہداتی بندھنوں سے بندھی ہوئی تھی اور قریش کا اس پر پورا تسلط تھا۔ اسی وجہ سے وہاں دعوتِ حق کو پھیلانے میں ناسازگار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔

اس کے برعکس مدینہ اور اس کے ماحول میں دو مختلف عناصر موجود تھے۔ دونوں عناصر کے درمیان کافی کھنچاؤ موجود تھا۔ یہودیوں نے اپنی آبادیوں کو چھوڑ کر چھوٹے قلعوں میں محصور کر کے اپنے تحفظ کو یقینی بنایا تھا۔ دوسرا عنصر انصار کا تھا۔ ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ پہلے تھوڑے لوگ آباد ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ آبادی بڑھ گئی اور اس طرح ایک نئی طاقت ابھرنے لگی۔ شروع میں ان لوگوں نے اپنے آپ کو یہودی معاشرے اور تمدن سے منقطع رہ کر سپنا چاہا۔ مگر بعد میں یہودیوں کے ساتھ معاہدہ استوار کر لیا۔ لیکن یہودیوں نے جب دیکھا کہ

Marfat.com

انصار کی طاقت زیادہ زور پکڑ رہی ہے تو یہ معاہدہ توڑ دیا۔

انصار کی طاقت یہودیوں کے لیے قریب قریب چوٹ تھی۔ مگر اصول اور مثبت مقاصد کی کمی کی وجہ سے ان کا اتحاد مضبوط بنیاد پر قائم نہ تھا۔ یہاں تک کہ اپنے ہی دو گروہوں میں جنگ ہوئی اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ اس کے برخلاف یہودیوں کے پاس توریت تھی اور ان کے سامنے ایک مستقل نظام تھا مگر انصار کا اپنا کوئی مستقل عقیدہ نہ تھا۔ البتہ وہ یہودیوں سے اکثر سنا کرتے تھے کہ آخری نبیؐ عنقریب ہی مبعوث ہونے والا ہے اور دل ہی دل میں سوچتے تھے کہ آخری نبیؐ کے آنے پر ان کا دامن پکڑ لیں گے اور یہودیوں سے زیادتیوں کا بدلہ لیں گے۔

ہجرت سے پہلے مدینہ اور اسلامی تحریک

مدینہ کا پہلا نوجوان جو دینِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوا سوید بن صامت تھا وہ ایک نوجوان اور ذہین شاعر تھا، ایک ماہر سوار اور بہادر سپاہی تھا مگر زیادہ دیر تک اسلام کی خدمت نہ کر سکا کیوں کہ خزرجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا یثربی نوجوان ایاذ بن معاذ تھا۔ یہ مدینہ کے ایک وفد کا کارکن تھا۔ وفد کا مقصد یہ تھا کہ خزرج کے خلاف قریش سے دوستانہ معاہدہ کر کے امداد حاصل کریں۔

نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر مدینہ کے گروہ نے تصدیق کی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کے بارے میں یہود ہمارے سامنے پیش گوئی کرتے رہتے تھے۔ اب ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ لہٰذا ان سے پہلے ہی دین حق کو قبول کیا اور مدینہ کے انصار میں سے کوئی ایک گھر ایسا نہ رہا جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا نہ ہو رہا ہو۔ یہ سب بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کا نتیجہ تھا۔

Marfat.com

بیعتِ عقبہ اولیٰ و بیعت عقبہ ثانیہ اور نتائج

نبوت کے بارہویں برس بارہ افراد کا وفد آیا اور آکر بیعت کی۔ اس بیعت میں صرف بنیادی باتوں کا اقرار لیا گیا تھا اور جنگ اور تصادم کا کوئی ذکر سامنے نہ تھا۔ اس ایمانی اقرار کے اجزاء یہ تھے۔

"ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری اور بدکاری نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، جان بوجھ کر کسی کے خلاف بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گے اور کسی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔"

بیعتِ عقبہ ثانیہ میں بنیادی باتوں کے علاوہ سیاسی پہلو پوری خطرناکیوں کے ساتھ سامنے آگیا۔ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا مطلب قریش اور سارے عرب کے ساتھ بصورت ضرورت جنگ کرنے کا تھا۔

غرض بیعتِ اولیٰ اور ثانیہ سے انصار کی جماعت مزید قوت پکڑ گئی۔ ان کا حوصلہ بڑھ گیا خاص کر جب آنحضورؐ نے فرمایا "تمہارا خون میرا خون ہے، تمہارے دشمن میرے دشمن ہیں، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔"

اب حضورؐ نے محسوس فرمایا کہ واقعی مکہ کی بجائے مدینہ ہی میں اسلامی سلطنت کی تاسیس کا سازگار ماحول مل سکتا ہے۔ اب چونکہ مہاجرین کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، سرداران مکہ کو بڑی تشویش ہوئی کہ اگر مدینہ میں کلمہ حق کی بنیاد مضبوط ہوگئی تو ہماری حدود محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مدینہ کا اسلامی مرکز ہماری تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کر سکے گا۔ وہ سوچتے رہے مگر کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ البتہ فیصلہ کیا کہ مزید مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ وہ رکاوٹیں ڈالتے گئے مگر اسلام کے

Marfat.com

متوالے مظالم سہتے گئے اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور سوائے چند افراد کے جنھیں قریش کے ظالموں نے محصور کر رکھا تھا، سب کے سب مدینہ چلے گئے۔

بہر حال جونہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے رفقاء کو مدینہ پہنچ کر مسافرت کی کوفت ختم ہوئی تو سرور عالمؐ تعمیری اقدامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد شریف کی تعمیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ دو یتیم بچوں کی یونہی پڑی ہوئی زمین خریدی۔ حضرت ابو الایوب انصاریؓ ہی نے قیمت ادا کی۔ اس طرح مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی۔

یہ مسجد خالی عبادت گاہ ہی نہیں، بلکہ اسلامی نظام تمدن اور سیاست کا سرچشمہ بھی بنی، یہ مسجد مہمان خانہ، جمہوری دار العلوم، دربار اور لکچر ہال وغیرہ کا مرکز بھی بنی۔ اس کی تعمیر کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اور پُر وقار شخصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب آپؐ پتھر اور دوسرا مصالحہ اٹھا اٹھا کر لاتے رہے، تمام حاضرین اس بے نظیر کردار سے متاثر ہوئے اور کوئی ایک بندہ ایسا نہ رہا، جس نے اس کار خیر میں حصّہ نہ لیا ہو۔

مدینہ میں ورود کے بعد سات ماہ کے قلیل عرصہ میں ہی دعوت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ انفرادی دعوت کے علاوہ حضور پاکؐ نے اجتماعی طور سے کام کا آغاز ایک خطاب سے فرمایا، جس میں حمد و ثنا کے بعد زندگی اور زندگی بعد موت، انسان کے اعمال کا نتیجہ جنّت یا دوزخ، قیامت کے لیے توشہ، دوزخ سے بچنے کے وسائل، نیکی کی تلقین اور سامعین کے لیے دعاؤں کا ذکر ہوا۔

اسلامی ریاست کا پہلا دستور

تعمیر مسجد اور اجتماعی خطاب کے بعد تیسرا اہم اقدام یہ تھا کہ ریاست چلانے

کے لیے مدینہ کے یہود، مشرکین اور مسلمانوں میں ایک تعمیری معاہدہ موجود ہو تاکہ سیاسی
نوعیت کا معاشرہ اور اس کی تنظیم میں استحکام پیدا ہو۔ حقیقت میں یہ معاہدہ د
کا پہلا تحریری دستور کہلانے کا حق رکھ سکتا ہے۔ اس معاہدے کی چند ایک مدین
مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ مدینہ میں منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو اساسی اہمیت حاصل ہو۔

۲۔ سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے حتمی اختیار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو۔

۳۔ دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت ہو اور دفاعی لحاظ سے مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو۔

اس طرح اس دستوری معاہدہ سے اسلامی ریاست کی تاسیس وجود میں آ
اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے انصار اور مہاجرین کو ایک ہی لڑی میں پرو دی
دونوں کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم ہوا اور ایک دوسرے پر جان تک
نثار کرنے پر آمادہ ہوئے۔ ایک مثبت اور تعمیری طاقت اپنا کردار پیش کرنے لگی
تمام کارکنانِ تنظیم اجتماعی معاملات کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لیے ماہرانہ حکمت
سے آراستہ ہوتے اور اپنے اندر اپنی اپنی ذمّہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے صلاحیتیں
پیدا کرتے گئے۔

دستورکا ردعمل

دستور سے حاصل شدہ طاقت، اتحاد وسعت کو دیکھ کر یہود خصوصاً اور
قریش عموماً تلملائے اور دین حق کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔ یہود اپنے

Marfat.com

کمین گاہوں سے نکلے اور علم و تقویٰ کے لباس میں کفار اور مشرکین کو تعاون کا وعدہ دیکر دینِ حق کے خلاف ایک متحدہ محاذ کھڑا کر دیا۔ مسلمانوں کے خلاف بے جا اور بے بنیاد الزامات لگائے۔ غلط پروپیگنڈے کے طوفان برپا کیے۔ جاسوسیاں کیں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کے منصوبے اختیار کیے، حتیٰ کہ رحمتِ عالمؐ کے قتل کی سازشیں کیں اور اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ حالانکہ مسلمانوں کے لیے کئی طرح سے حالات مشکل اور ناسازگار تھے۔ مسلمان مہاجرین کی بحالی، مکّہ کی جانب سے حملے کا احتمال، نوخیز ریاست اور زیرِ تکمیل معاشرے کو غدّاروں سے پاک رکھنا، گویا یہ سب الجھنیں ظاہراطور پر دل شکن تھیں مگر متوکّل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور دشمن کی تمام سازشوں کو ناکام بنایا۔

اسی دوران میں جہاں رسول اکرمؐ اور آپؐ کے رفقاء کو اسعد بن زراہ کی موت کا صدمہ پیش آیا۔ اسی طرح مسرت بھی ہوئی جب ایک یہودی بزرگ حصین اسلام لائے۔ عبداللہ بن سلام (اسلامی نام) بلند پایہ عالم کے متقی تھے۔ جب حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو اپنے گھروالوں اور دیگر اقرباء کو دین حق کی دعوت دی۔ متاثر ہو کر سب کے سب نورِ اسلام سے منور ہوئے۔

آنحضورؐ نے اس نومسلم کو گھر میں آڑ کے پیچھے رکھا۔ یہودی بزرگ آئے، باتیں ہوئیں، سوال و جواب ہوئے۔ بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "حصین بن سلام تم میں سے کیسے آدمی ہیں" وہ کہنے لگے، وہ تو ہمارے سردار ہیں۔ بلند پایہ کے عالم ہیں۔ جلیل القدر باپ کے فرزند ہیں۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو عبداللہ بن سلام اوٹ سے باہر آ گئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا "اے گروہ یہود! خدا کا خوف کرو اور جو دین حضورؐ کے ذریعہ آیا ہے، اسے قبول کر لو۔ کیونکہ بخدا! تم خوب سمجھتے ہو کہ حضورؐ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ تم لوگ آپؐ کے اسم گرامی اور صفات کو تورات میں دیکھ چکے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضورؐ خدا کے رسول ہیں۔ میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں۔"

Marfat.com

یہود یہ سب دیکھ کر بہت سٹپٹائے اور اس جانے پہچانے بزرگ کے خلاف بہتان تراشی شروع کی اور ان کے درپے ہوئے۔ اس پر اس بزرگ نومسلم نے اپنے گھر والوں کے ایمان لانے کا اعلان کیا۔

یہود نے آنحضورؐ سے عجیب عجیب سوال کیے اور معقول جوابات ملنے کے باوجود اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم مشرکین کے طور طریقوں کے مقابلے میں یہود کے بعض طریقوں کو پسند فرماتے تھے۔ یہود اہل کتاب تھے اور مشرکین بت پرست مسلمانوں اور یہودیوں کے لیے قبلہ بیت المقدس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مفاد پرست مولویوں نے یہود کا دل مکدر کر دیا تھا۔

رسول اکرمؐ تھوڑی بہت تفاوت کے ساتھ وہی دین پیش کر رہے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام لائے تھے اور اسی رشتے کی بناء پر آنحضورؐ پُر امید تھے کہ یہود آہستہ آہستہ اس حقیقت کو پہچان لیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ مفاد پرست یہودیوں نے اقتصادی مفاد کو مذہب کی سچائیوں پر ترجیح دی۔ اور اس مرحلہ پر تحریکِ اسلام کی امیدیں پوری نہ ہوئیں۔

قبلہ تبدیل ہوا

اسلام کی انفرادیت کو تقویت دینے کے لیے اور امتیاز قائم رکھنے کے لیے سولہ مہینے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلہ نماز تبدیل کرنے کا حکم صادر ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر بن برا ابن معرور کے ہاں دعوت پر گئے تھے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور حضورؐ نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے۔ دو رکعتیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں وحی وارد ہوئی۔ "لو ہم تمہیں اسی قبیلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو، سو مسجد حرام کی طرف منہ پھیر لو۔ اب جہاں کہیں بھی تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے

Marfat.com

نماز پڑھا کرو۔"

آنحضورؐ نے نماز کے دوران ہی رُخ بدل لیا اور اتباع کرنے والے بھی نئے قبلہ کی طرف مڑ گئے۔ اس تبدیلی کا مطلب یہ تھا کہ پہلے عربیت کے بت کو توڑنے کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنایا اور اب اسرائیلیت کا بت توڑنا بھی لابدی تھا تاکہ خداوند کریم کی وحدانیت ہی کو اصلی قبلہ مانا جائے۔

اس اچانک مگر ضروری تبدیلی پر بھی مشرکین اور یہود میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں دراصل وہ تبدیلی کے مقصد کو سمجھ نہ پائے۔ اس کے برعکس ایمان اور عقیدہ کے شیدائیوں نے حکم سنا اور اطاعت قبول کر لی اور طنز و تضحیک کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جوابی اشتعال کو صبر و صلوٰۃ سے ٹھنڈا کر دیا اور سنجیدہ انداز سے اتمام حجت کے طور پر زوردار استدلال کر کے عوام الناس کے سامنے کعبہ کی عظمت کو سورۃ آل عمران کی آیات سے وضاحت کی کہ "سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسان کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے ..... "اس کی شان یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا، مامون ہو گیا۔ لوگوں پر یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے (آل عمران - ۹۰ تا ۹۶)

(حج کی تشریح آگے جا کر ارکانِ خمسہ دین کے ساتھ ہوگی)

مدینہ میں بخار کی وباء اور یہودیوں کا ذلیل طرزِ عمل

مدینہ کے محدود ذرائع اور وسائل پر جب مہاجرین کی آبادی کا بوجھ بڑھ گیا تو تحریک کے بیشتر کارکنوں کو فقر و فاقہ کی حالت کا سامنا کرنا پڑا۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے اہلِ خانہ کو بھی برابر کا شریک ہونا پڑا۔ نئی آب و ہوا باہر سے آنے والوں کو راس نہ آئی اور حق و صداقت کے متوالوں کو بیماری کا شکار ہونا پڑا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ بخار نے وبا کی شکل اختیار کر لی۔ کمزوری کی وجہ سے لوگ معاشی تگ و دو کے قابل نہ رہے۔ ان مایوس کن اور خستہ حالات پر قابو پانے کے لیے ایمان باللہ اور باہمی جذبۂ اخوت کے سوا ظاہراً کچھ نہ تھا۔ یہی دور تھا جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی کہ "اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو ویسا ہی دل کش بنا دے جیسا کہ مکہ کو بنایا تھا۔ اس سے زیادہ غلّہ اور پیداوار میں برکت عطا فرما۔"

حضرت ابو طلحہؓ اس دردناک ابتلاء کا حال یوں بیان فرماتے ہیں "ہم لوگ مصیبت سے جب تنگ آ گئے تو سہارا حاصل کرنے کے لیے رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھاتے۔ اس پر آپؐ نے ایک کے بجائے دو پتھر دکھائے۔ اس طرح سب کو تسلّی ہوئی اور مزید صبر کے لیے حوصلہ بڑھ گیا۔"

اسی دوران یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تسلّی حاصل کرنے کی غرض سے قائدِ اسلامؐ کے ہاں حاضر ہوئے اور بھوک کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا کہ میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ تینوں پُروقار حضرات اپنے رفیق حضرت ابو الہیثم کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ پانی لینے گئے ہوتے تھے۔ آئے تو فرطِ مسرت سے لپٹ گئے اور باغ میں لے جا کر کھجوریں توڑیں اور پیش خدمت کیں۔ پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا اور جناب ابو الہیثم کے لیے دعائے خیر کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

ان مصائب پر یہ اضافہ ہوا کہ اگر مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی نے کہیں سے کچھ قرضہ لیا تو مہاجن اور یہود قرض کا بہانہ کر کے ان فرشتہ خصال انسانوں کی تذلیل کرتے رہے۔ ایسا واقعہ حضرت بلالؓ اور اسلام کے ایک اور سپاہی ابوحدرد اسلمی کو پیش آیا۔ کافر مہاجن اور سود خوار یہودی نے بالترتیب دونوں کو بہت تنگ کیا۔ یہاں تک کہ یہود سپاہی کی تہبند لے کر چلا۔"

اس طرح یہود اور مالدار مشرکین نے مہاجنی محاذ کھڑا کر دیا۔ تاکہ تحریکِ اسلامی

مالی کمزوری سے خود بخود ختم ہو جائے ۔ ان کمینہ فطرت یہودیوں نے خدا کا بھی مذاق اڑایا اور کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) مسلمانوں کے خدا کا بھی ہاتھ تنگ پڑا ہے ۔ اور دیوالیہ ہو کر قرض مانگنے نکل کھڑا ہوا ہے ۔ یہ باتیں یہودیوں سے چل کر منافقوں کی زبانوں پر بھی چڑھ گئیں اور ساری فضا کو غبار آلود کر دیا ۔ انفاق کرنے والوں کے پاس جا کر کہنے لگے کہ کیوں اپنا مال غارت کر رہے ہو؟ مکّہ کے چند (کنگالوں) کو کھلا پلا کر تم کیا حاصل کرو گے؟"

اتنا ہی نہیں، یہودیوں کے جاسوس لوگوں کے پاس جا کر کہنے لگے کہ "رسول اللہ کے ساتھیوں پر مال خرچ کرنے سے باز آجاؤ تا آنکہ یہ سب چھٹ چھٹا جائیں"۔ دشمنانِ اسلام کی یہ ایک بڑی تحریک تھی کہ ایک طرف سے جذبۂ انفاق کے سرچشمے کو بند کر دیا جائے اور دوسری طرف سے مہاجن بن کر مسلمانوں کا قافیہ تنگ کر لیا جائے اور بغیر تلوار اٹھائے شکست دی جائے ۔ ان کم ظرفوں کو کیا معلوم تھا کہ معاملہ کائنات کے خالق و مالک اور رازق مطلق سے تھا ۔ اس کی معقول تدابیر نے دشمنانِ دین حق کی چالوں کو شکستِ فاش دی ۔ کیوں کہ علمبردارانِ اسلام نے مشکل ترین، مایوس کن، اور اذیت رساں حالات میں بھی صبر اور توکل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ اور آہستہ آہستہ مشکلات پر قابو پالیا اور اپنی قوت بڑھا دی ۔

صبر کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے ۔ حضورؐ گدھے پر سوار تھے اور اپنے پیچھے اسامہ بن زید بن حارث کو بٹھا لیا ۔ عبداللہ بن ابی مجلس جمائے بیٹھا تھا ۔ اس کے ارد گرد قبیلے کے لوگ بیٹھے تھے ۔ حضورؐ کا گزر ہوا تو عبداللہ کو برا لگا اور منہ پھیر لیا ۔ آنحضورؐ نزدیک پہنچے تو سلام کیا قرآن کا کچھ حصہ پڑھا اور خدا کی طرف دعوت دی ۔ عبداللہ بن ابی خاموش سنتا رہا ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو عبداللہ بن ابی نے بازاری انداز میں منہ پھاڑ کے کہا "اے فلاں! بات کرنے کا یہ ڈھنگ ٹھیک نہیں ہے ۔ اپنے گھر میں بیٹھو اور جو کوئی تیرے پاس جائے تو بس اس کو

Marfat.com

اپنی بات سُنایا کرو۔ اوروں کے یہاں جاکر ایسی دعوت نہ سُنا جو اُسے ناگوار ہو"

دراصل یہ عبداللہ بن ابی نہیں بول رہا تھا۔ یہ آنے والے دورِ امن اور عافیت کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

اس مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھے اور مسلمان ہو چکے تھے انھوں نے منافقِ اعظم کو تنک کر جواب دیا۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ آئیں۔ ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ آپؐ آئیں گے، آپؐ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سربلندی عطا فرمائی ہے۔ اور آپؐ ہی کے ذریعہ سے ہدایت پائی ہے"

سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لاکر حضورؐ نے واقعہ بیان فرمایا۔ سعدرضؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے تو مدینہ آکر عبداللہ کو بادشاہت سے محروم کیا ہے۔ اس کا ردعمل قدرتی تھا اور اس کی بھڑاس کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے!

یہ شخص مخالفت میں سب سے آگے تھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے موٹے موٹے یہود بزرگ تھے۔ تحریکِ اسلامی کے خلاف جو بھی ردعمل ہوتا تھا، اسی کے اشارے سے ہوتا تھا۔ اس کے ذریعہ صبح وشام ایک نہ ایک اشتہار بازی اور مخالفانہ موضوعات کی تشہیر ہوتی تھی۔ اس کی کوشش ہر وقت یہ ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے کاروانِ اسلام کی تیز رفتاری میں روڑے اٹکائے جائیں۔

مکّہ میں انتقامی جذبات کا اظہار اور مدینہ کی جوابی کارروائی

مکّہ کے لوگوں نے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ ان کے جاسوس مدینہ کے اردگرد گھومتے رہے اور سلسلۂ نام وپیام خفیہ طور پر مدینہ کے یہود کے ساتھ شروع

Marfat.com

کر دیا۔ ان کے فوجی دستے اسلامی ریاست کی حدود تک پہنچنے لگے تو اسلامی ریاست نے بھی اپنا نظام دیدبانی قائم کر دیا۔ اور قریش کے جاسوسوں اور فوجی دستوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا جانے لگا۔ اس جوابی کارروائی سے قریش کو احساس ہوا کہ اگر فضا خراب ہوئی تو اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا اور تجارتی شاہراہ بند ہو جائے گی۔

ایک اتفاقیہ ناخوشگوار حادثہ

اس نظام دیدبانی کے تحت جب رجب ۲ھ میں آٹھ افراد کا ایک دستہ قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے قائدِ اسلام نے روانہ فرمایا تو اچانک قریش کے ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ ان کا آمنا سامنا ہوا تو کچھ ذہنی تناؤ ایک ایسے نقطہ تک جا پہنچا کہ اسلامی دستے نے حملہ کیا اور قافلے کا ایک آدمی قتل ہوا۔ بقیہ آٹھ آدمیوں کو گرفتار کر کے مال و اسباب کے سمیت مدینہ لے آئے حالاں کہ اس دستے کو جنگی کارروائی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ یہ واقعہ چونکہ رجب کے آخر میں اور شعبان کے آغاز میں ہوا تو مکّہ کے مشرکین اور مکہ کے یہودیوں کو پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں کا بھی احترام نہ کیا۔

الزام تراشی اور آسمانی جواب

اس پروپیگنڈے کا نتیجہ مسلمانوں کے خلاف نقصان دہ ثابت ہوا کیوں کہ اس حرمت پر ہی عرب کے دینی اور معاشی نظام کا دارومدار تھا یوں تو یہ حادثہ خود اسلامی ریاست کی نگاہ میں بھی ناپسندیدہ قرار پایا کیوں کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کو تصادم کا اختیار نہیں دیا تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے

Marfat.com

متعلقہ افراد سے سختی کے ساتھ باز پرس کی اور قیدیوں کو قبول کرنے اور ان کے مال کو بیت المال میں لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود مخالفین کے پروپیگنڈے میں کوئی کمی نظر نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس پروپیگنڈے کا جواب سرورِ عالمؐ کی زبانی یوں فرمایا۔

"لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ اے پیغمبر! کہیے کہ اس میں لڑنا بہت بُرا ہے۔ مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور کفر کرنا، مسجدِ حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا، حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بُرا ہے اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے۔" (البقرہ۔ ۲۱۷)

جب منافقوں کو اپنے پروپیگنڈے کی ناکامی نظر آنے لگی تو حضورؐ کے تقدس اور ہمہ گیر شخصیت پر وار کرنے کی کوشش کی گئی۔ اقتدار طلبی اور نفسانیت کے گھناؤنے الزامات تراشنے لگے۔ تحریک قائدؐ اعلیٰ کے حرم کو بھی نشانہ بنایا گیا اور بڑی حد تک خود سرورِ عالمؐ اور آپ کے دوسرے کارکنان پریشان ہوتے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ قصداً کرنے والوں کو اصلاح اور انتباہ کی یوں خبر دی۔

"کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ جن لوگوں کو سرگوشیاں کرنے سے باز آنے کو کہا گیا تھا" وہ پھر وہی حرکت کر رہے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا۔ وہ آپس میں بدی اور سرکشی اور رسولؐ کی نافرمانی پر خفیہ مشورے کرتے پھرتے ہیں۔" (المجادلہ۔ ۸)

"اے ایمان والو! جب کبھی تم علاحدگی میں مشورے کرو تو بدی اور سرکشی اور رسولؐ کے نافرمانی کے مشورے نہ باندھو بلکہ نیکی اور تقویٰ کے لیے مشورے کرو"

(المجادلہ۔ ۹)

"یہ (سرگوشیاں کرنے والے) لوگ انسانوں کی نگاہ سے اوجھل رہ سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ حال یہ ہے کہ جب رات کی تاریکی اور تنہائی کے پردے میں وہ ایسی کوئی بات پکارتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتی تو اس گھڑی اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔" (النساء۔ ۱۰۸)

Marfat.com

"یہ خفیہ مشورے شیطانی کام ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو پریشان کر دے حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی بھی چیز ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔" (المجادلہ۔ ۱۰)

"منہ پر کہتے ہیں کہ ہم (جماعت کے فیصلوں اور قیادت کے احکام کی) اطاعت کریں گے۔ مگر جب (اے نبیؐ) آپؐ کے پاس سے نکلتے ہیں۔ تو ایک ٹولی راتوں کو سر جوڑ کر آپؐ کی کہی ہوئی باتوں کے خلاف کھچڑی پکاتے ہیں اور اللہ ان کے منصوبوں کو لکھ رہا ہے۔" (النساء۔ ۸۷)

ان خفیہ سرگوشیوں کا ایک موضوع (معصیت الرّسول) تھا۔ وہ قائدؐ اعلیٰ اور آپؐ کے رفقاءؓ کی بے داغ شخصیتوں کے خلاف جھوٹے الزامات (جیسے بیت المال کو ذاتی مقاصد پر صرف کرنا) تراشتے رہے۔ حالانکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ڈھیروں دولت حاجتمندوں میں تقسیم فرمائی مگر زکوٰۃ کو اپنے دولت خانہ پر ہی نہیں بلکہ پورے بنی ہاشم کے لیے حرام قرار دیا۔ اس کے مقابل میں بے لوثی کی کوئی دوسری مثال کا ساری دنیا میں ملنا بہت دشوار ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن ابی کس قدر بدتمیز اور فتنہ انگیز تھا اور ساتھ ہی اپنی تخریبی ذہینت و ذہانت سے اس میں شرارت اٹھانے کی کتنی تخلیقی قوت تھی۔ وہ حضورؐ سے ذاتی عناد رکھتا تھا کیونکہ آپؐ کے ورود سے اس کی بادشاہت کے خواب پورے نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے جذبہ حسد سے اس کا تخریبی دماغ بھرا پڑا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ: ذلیل ابی کا شکار

آپؓ کی ذاتِ گرامی پر بہتان کے صدمہ سے وہ بیمار ہو گئیں۔ آپ انہی کی زبانی سنیے:

"مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی۔

شہر میں اس بہتان کی خبر اڑ رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی بات پہنچ گئی تھی مگر مجھے پتہ نہ تھا۔ البتہ جو چیز مجھے کھٹک رہی تھی کہ رسول اللہؐ کی توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو صرف اتنا پوچھتے کہ (کیسی ہیں یہ)۔ اس سے زاید کوئی کلام نہ کرتے۔ اس برتاؤ سے مجھے شبہ ہوا کہ کوئی بات ہے۔ آخر آپؐ سے اجازت لے کر میں ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمار داری کرے ...... مسطح کی ماں کے ساتھ رفع حاجت کے لیے جنگل میں گئی مسطح بن اثاثہ کی ماں کو ٹھوکر لگی اور اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے "غارت ہو مسطح" میں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہے جو افترا پردازی کر رہے ہیں۔ اس طرح مجھے ایسا صدمہ ہوا کہ خون خشک ہوگیا اور حاجت بھی بھول گئی گھر واپس آئی اور رو رو کر رات کاٹی۔ رونے کا عالم یہ رہا کہ مجھے اندیشہ ہوگیا کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

آخر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے غیر جانبدارانہ طریق سے تحقیق شروع فرمائی حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلایا اور ان سے رائے طلب فرمائی۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یہ سب افواہیں کذب اور باطل پر مبنی ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ چہ میگوئیاں حضرت علیؓ کو بھی متاثر کر چکی تھیں۔ انھوں نے دوسرے انداز سے ذکر کیا "یا رسول اللہ! عورتوں کی کمی نہیں۔ آپؐ اس کے بجائے دوسری شادی کر سکتے ہیں۔ آپؐ لونڈی کو بلا کر تحقیق فرمائیں۔" دراصل باب العلم حضرت علیؓ سے حضورؐ کی پریشانی برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کا دوسرا مشورہ قبول فرمایا۔ لونڈی کو بلا کر حضرت علیؓ نے رعب اور تنبیہ کے ساتھ سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بارے میں سچ سچ کہہ دو۔ لونڈی نے جواب دیا: "خدا کی قسم! میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ میں کوئی نقص حضرت عائشہؓ میں نہیں نکال سکتی۔"

اس بھولے بھالے جواب سے آنحضورؐ کو قدرے اطمینان ہوا۔ اور مجلسِ عام

Marfat.com

میں خطاب فرمایا "آخران لوگوں کا مقصد کیا ہے جو میرے اہلِ خانہ کے بارے میں دُکھ دیتے ہیں۔ اور ان کے متعلق خلاف واقعہ باتیں کرتے پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم! ان کے بارے میں بجز بھلائی کے اور کوئی بات میرے علم میں نہیں ہے اور وہ یہ بات ایک ایسے شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے بھی بھلائی کے سوا میرے علم میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور اس نے میری موجودگی کے بغیر میرے گھر میں کبھی قدم نہیں رکھا"

مجلس میں کچھ لوگوں کے درمیان تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی۔ حضرت اسد بن جعفرؓ جذبات میں آکر منافق اعظم عبداللہ بن ابی کی طرف بول اٹھے "تم غلط کہتے ہو۔ بخدا بلکہ تم خود منافق ہو۔ جبھی منافقوں کی حمایت کرتے ہو"

حضورؐ منبر سے اُتر آئے۔ لوگوں کو ٹھنڈا کیا اور مجلس برخاست فرمادی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے پاس بیٹھ کر فرمایا۔

"عائشہ! مجھے تمھارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اُمید ہے کہ خداوندکریم تمھاری برأت ظاہر فرمائے گا۔ اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ اللہ تعالیٰ اعترافِ گناہ اور توبہ کے بعد معاف کر دیتا ہے"

حضرت عائشہؓ نے بے گناہی کا اظہار اس طرح کیا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور حضرت یوسفؑ کے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ کا "صبرِ جمیل" یاد دلایا۔ اُسی دوران وحی نازل ہوئی اور حضورؐ نے فرمایا "مبارک ہو عائشہ اللہ تعالیٰ سے تمھاری برأت نازل ہوئی"۔ حضورؐ نے دس آیات سُنائیں۔ حضرت عائشہ کی والدہؓ نے کہا "اٹھو اور رسول کا شکریہ ادا کرو"۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "میں نہ اُنؐ کا شکریہ ادا کرونگی نہ آپ دونوں کا (والدین) بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا"

Marfat.com

عمدِ قتل کی ناپاک سازشیں

جب منافق اور مشرکین اپنے منصوبہ بخوبی میں ناکام رہے تو حضورؐ کے شہید کرنے کا پلان تیار کیا۔ ایک مرتبہ (سکہ ھ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ کچھ لوگ علاحدگی میں مل کر منصوبہ باندھنے لگے۔ حضورؐ کو ایک گڑھی کے سائے میں بٹھایا اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ کوئی شخص جاکر اوپر سے چکی کا پاٹ گرادے اور (نعوذ باللہ) معاملہ ختم کردے۔ عمر بن حجاش بن کعب نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی۔ ادھر حضورؐ پر ان کا ارادہ منکشف ہوگیا اور آپؐ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

اسی طرح ایک اور منصوبہ تیار کیا۔ کعب نے حضورؐ کو دعوت دی اور کچھ آدمیوں کو مامور کردیا کہ جب حضورؐ تشریف لائیں تو آپؐ کو شہید کردیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کفار کی سازش سے محفوظ رکھا۔

فتح خیبر (اس کا ذکر آگے جاکر ہوگا) کے موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحرثہ نے بکری کا گوشت بھون کر تیار کیا اور اس میں زہر ملادیا اور یہ زہر آلودہ گوشت حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے تحفہ کی صورت میں بھیج دیا۔ لقمہ منہ میں ڈالتے ہی آنحضورؐ کو معلوم ہوا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ پھر خود بھی نہیں کھایا اور ساتھیوں کو بھی کھانے سے روک دیا۔ بعد میں اس یہودیہ کو بلایا گیا اس نے اقرار کیا اور کہا کہ ہم نے آپ کا امتحان لینا چاہا تھا کہ سچے نبیؐ ہونے پر حقیقت خود بخود ظاہر ہوگی۔ بہرحال اللہ نے بچالیا۔ حضرت برائؓ بن معرور نے بتقاضائے ادب ایک لقمہ کھایا اور انتقال کرگئے۔

بنو قریظہ سے آنحضورؐ نے تجدید معاہدہ کی۔ اس کے بعد حضورؐ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ اپنے تین آدمی لائیں اور ہم بھی تین آدمی پیش کریں گے۔ اگر ہمارے عالموں

Marfat.com

نے آپؐ کی تصدیق کر دی تو ہم سب آپؐ پر ایمان لائیں گے ۔ حضورؐ روانہ ہوئے اور راستہ میں اطلاع ملی کہ یہود عمداً قتل کے لیے منتظر ہیں آپ واپس آ گئے ۔

منافقین نے ایک اور خطرناک منصوبہ بندی کی کہ جب رسول نازنین صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ سے گزریں تو نیچے گرا دیا جائے ۔ عقبہ کے راستے میں عبداللہ بن ابی سمیت بارہ منافقین کے علاوہ حضورؐ نے حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کو اپنے ساتھ رکھا۔ حضورؐ کی نگاہیں یوں بھی دلوں کی گہرائی میں اتر کر پوشیدہ جذبات کو پڑھنے والی تھیں ۔ اللہ تعالٰی نے غیبی اشارہ دے کر آپ کو اس چال سے مطلع فرمایا کہ حضرت عمارؓ کو حکم ہوا کہ وہ آگے رہیں اور حضرت حذیفہؓ سے فرمایا کہ وہ پیچھے پیچھے چلیں ۔ جب عقبہ کا مقام آگیا تو سازشی ٹولی بھاگتی ہوئی آئی ۔ رات کی تاریکی میں بھی انھوں نے نقابیں ڈال رکھی تھیں۔ حضورؐ کو آہٹ سنائی دی تو ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو پیچھے لوٹا دیں ، حضرت حذیفہؓ لپک کر گئے ۔ ان لوگوں کا اونٹ نظر آیا تو اپنا ترکش اس کی تھوتھنی پر مارا ۔ وہ لوگ جب حضرت حذیفہؓ کو پہچان گئے تو سمجھے کہ راز فاش ہو گیا ہے ۔ اور وہ پیچھے جا کر لوگوں میں گھل مل گئے ۔

حضورؐ نے ان بارہ سازشیوں کو نام بہ نام طلب فرمایا ۔ اور ہر ایک سے صفائی مانگی ۔ وہ بہت پشیمان ہوئے ۔ حصن بن نمیر کہنے لگا " مجھے یقین نہ تھا کہ آپ کو اس کی خبر ہو گی ، مگر آج معلوم ہوا کہ واقعی آپؐ خدا کے رسول ہیں ۔ اس سے قبل میں سچا مسلمان نہ تھا ۔ اب صدق دل سے ایمان لاتا ہوں " دوسروں نے معافی چاہی تو رحمتِ عالمؐ نے سب سے درگزر فرمایا ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُسْلِمِیْن

غزوۂ بدر کبریٰ

یہ غزوہ غزواتِ اسلام میں بہت اہم بلکہ سب سے زیادہ اہم ہے ۔ اسلئے

کہ اسلام کی عزّت وشوکت کی ابتدا اور علیٰ ہٰذا کفر اور شرک کی رسوائی کی ابتدا بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔ مگر قبل اس کے غزوہ کا مفصل ذکر ہو، یہ بتانا ضروری ہے کہ جنگ کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی کیا تھا۔ سالارِ اعظمؐ کی جنگی پالیسی یہ تھی کہ مخالف عنصر کا خون بہائے بغیر اسے بے بس کر دیا جائے تا آنکہ وہ مزاحمت چھوڑ کر تعاون پر آمادہ ہو۔ اس لحاظ سے آپؐ قریش کو نیست و نابود کرنا نہیں بلکہ محفوظ رکھ کر تعاون کو ترجیح دینا چاہتے تھے۔ اس پالیسی کی تقویت کے لیے آنحضورؐ نے دفاعی طاقت ہر پہلو سے بڑھا دی اور اس طاقت کو حرکت میں رکھا۔ مکّہ والوں کو تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کر کے دشمن کا زور توڑ دیا۔ اتنا ہی نہیں مختلف قبائل کو معاہداتی رابطوں کے ذریعہ اپنے ساتھ ملایا۔

یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کی ساری جنگی کاروائیاں جو یہود اور قریش کے ساتھ ہوئیں وہ سب مجبور ہو کر کی گئیں۔ کیوں کہ ان لوگوں نے ہی مسلمانوں کو میدانِ جنگ کی طرف کھینچ لیا، اور جو کچھ ہوتا رہا، جنگی محاذ ہی پر ہوتا رہا اور باقی آبادی دونوں طاقتوں کے مقاصد، کردار اور سیاسی قوت کا خاموشی سے جائزہ لیتی رہی۔

اعلانِ جنگ

مکّہ سے منافقِ اعظم عبداللہ بن اُبی کو ایک سازشی خط موصول ہوا۔ جس میں مدینہ کے یہود اور انصار کے لیے دھمکی مرقوم تھی کہ یا تو از خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حدود سے نکال دو، یا پھر ہم چڑھائی کر دیں گے اور تمھیں قتل کر دیں گے۔ ساتھ ہی کچھ غلیظ گالیوں کا بھی ذکر تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو پیغام بھجوایا کہ "تم لوگ اس پر مغرور مت ہو جاؤ کہ مکہ سے صحیح سلامت نکل گئے۔ ہم مدینہ پہنچ کر تمھاری خبر لینگے۔"
اس چیلنج کے بعد مکہ سے چھوٹی چھوٹی فوجی ٹولیاں نکلنے لگیں۔ جواباً حضورؐ نے

Marfat.com

اطلاع ملتے ہی گشتی دستے بھیجنے شروع کیے۔

اب تو مسلمان اور انصار سرورِ عالمؐ کی قیادت میں ایک مضبوط قوت بن چکے تھے۔ مدینہ بھی دفاعی لحاظ سے بہت موزوں مقام تھا مگر یہ محل وقوع تب تک فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس کی ساری آبادی کو متحد نہ کیا جاتا۔ لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اوس، خزرج اور دوسرے قبائل کو معاہدات سے یکجا کر دیا۔ اس طرح قریش کی طرف جنگی کارروائی کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش بندی کرلی گئی۔ اس پیش بندی اور گشتی دستوں کے تجربات کے بعد حضورؐ نے رقت آمیز انداز میں یہ دعا کی:۔

"خداوندا!" اگر یہ چند جانیں آج ختم ہو گئیں تو پھر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی نہ ہو گا اور تیری عبادت نہ ہو گی۔" ذرا غور فرمایئے، حضورؐ جیسی ہستی اپنی رقت آمیز دعا کا قاصد عرش مجید پر دستک دینے کے لیے بھیجے تو کیوں نہ فرشتوں کی فوجیں اتریں چنانچہ فتح کی بشارت آگئی، گویا ابابیلوں کے ذریعہ ایک بار پھر ہاتھیوں کے لشکر کو تہس نہس کر دکھایا۔

۲۱ رمضان المبارک ۲ھ کو سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ افراد ہمراہ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ پھر بھی آنحضورؐ نے بڑی حکمت سے کام لیا۔ دشمنوں کی فوج اور ان کے قافلے پر نظر رکھی کہ ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے اور کونسا رخ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب اطلاع ملی کہ قافلہ بدر کا راستہ چھوڑ کر لمبے راستے کی طرف نکل گیا ہے اور خاصا دور ہے تو حضورؐ نے بدر کا رُخ کیا۔

ابوسفیان نے ساحلی علاقے میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ محسوس کیا تو فوج کو بھی ساحل کی طرف آنے کو پیغام بھیجا۔ مگر ابوجہل نے بدر جانے کا فیصلہ کیا تاکہ مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔

قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے بدر کی جانب جانے سے انکار کیا۔

Marfat.com

حکیم بن حزام اور عتبہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ ان کے اس وطیرے سے ابوجہل کو بڑا غصہ آیا اور واقعۂ نخلہ کے مقتولوں کے بھائی عامر کے جذبات کو ابھارا اور عامر نے ایک جذباتی طوفان برپا کر دیا اور قریشی فوج بدر کے کنارے آپہنچی۔

سرورِ عالم نے ساتھیوں سے مشورہ لے کر بہتر جگہ پر قبضہ کر لیا اور منصوبہ بنا کر محاذ کی ترتیب دی۔ دشمن کی تعداد معلوم کرائی اور رفقاء کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔ "آج مکّہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے رفقاء کو اس بات کا ضرور احساس تھا کہ تین سو سے کچھ زاید تقریباً بے سر و سامان جانبازوں کا مقابلہ ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ تھا۔ چھ سو زرہ پوش اور ایک سو سوار۔ دشمن کے پاس رسد اور دوسری ضروریات کی کمی نہ تھی، مگر مسلمان اسلامی جذبہ، اپنے قائدؐ کی صداقت اور خُدائی نصرت کے یقین میں سرشار تھے۔ وہ شہادت پانے یا غازی بننے کے لیے بالکل کمر بستہ تھے۔ سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ حضورؐ نے پھر ایک بار یہ دعا کی "اے اللہ! قریش تکبّر کے نشے میں چور ہو کر تیرے بندوں کو تیری اطاعت سے باز رکھنے کی غرض سے آئے ہیں اور یہ کہ تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ پس اے اللہ! اپنی نصرت بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اے اللہ کل ان کو شکستِ فاش دے۔

یہ مقابلہ سچ کے پرستاروں اور جھوٹ کے حامیوں کے درمیان تھا۔ حق پرست گمراہی کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلنا چاہتے تھے اور دوسری طرف آبائی شرک قدیم منفی رسوم اور مفاد پرستی کے متوالے مرنے اور مارنے پر تیار تھے۔ دونوں اپنے اپنے تصوّرِ حیات کے بچاؤ کے لیے لڑنے کی تیاری میں تھے۔

اس موقع پر انصار نے رسالت مآبؐ کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ اور اس امتحان میں حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء نے ثابت کر دیا کہ مومن جنگی سامان پر بھروسہ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ سو فیصدی متوکّل ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کی موعود نصرت پر یقین رکھتے ہیں۔

Marfat.com

۱۷ ار رمضان ۲ھ کو مقابلہ ہوا اور اللہ تعالے نے اس دن کو یوم الفرقان کا نام دیا۔ یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن اور حقیقتاً یہ مہینہ ہی قرآن مجید کا مہینہ تھا۔ اس قرآن شریف نے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق واضح فرمایا۔

اس مقابلہ میں اسلامی فوج کے ۲۲ جانبازوں نے شہید ہو کر اپنے نصب العین کی سچائی کی گواہی دی اور حیاتِ جاودانی حاصل کی۔ دوسری طرف دشمنوں کے ستّر آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور اتنے ہی آدمیوں کو قیدی بنایا۔ مردار ہونے والوں میں قریش کے رؤسا۔ ابوجہل، شیبہ، عتبہ، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف بھی شامل تھے۔

بدر کے نتائج سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا غرور پامال ہو کے رہ گیا اور اسلامی تحریک سربلند ہو کر آنے والی فتوحات کے لیے مستحکم ہو گئی۔ اللہ جلّہ شانہٗ نے قرآن کے ذریعہ کفار پر ظاہر کیا "تم جو فیصلہ چاہتے تھے وہ تمھارے سامنے آ گیا۔ اب باز آجاؤ، یہی تمھارے حق میں بہتر ہے، ورنہ اگر تم پلٹ کر پھر حماقت کرو گے، تو ہم بھی دوبارہ تمھاری خبرلیں گے"۔ (الانفال ۔ ۳۹)

تاریخ کی ایک زرّیں اور بے نظیر مثال

ابو حذیفہ بن یمان اور ابو عیل دو مسلم نوجوان مکّہ سے آئے، راستے میں کفّار نے روکا کہ ہم تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کے لیے جانے نہ دیں گے۔ دونوں نے عدم شرکت کا وعدہ دے کر نجات حاصل کی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سُنایا۔ ایک ایسے موقع پر جب کہ ایک چیونٹی کی مدد بھی گراں بہا محسوس ہوتی، حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ تم نے جو وعدہ کرلیا ہے۔ اسے لازماً ایفا کرلو۔ ہماری مدد اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

غزوۂ احد

قریش کو بدر کی لڑائی میں جو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچا تھا اور انھوں نے جو اقتصادی چوٹ کھائی تھی، اس کا بدلہ لینے کی آگ ان میں اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ابوسفیان بن حرب نے اس جوش کے جذبہ سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ دارالندوہ میں رکھا ہوا مال تجارت اور دوسرا سرمایہ لڑائی کے خرچ کے لیے جمع کرایا۔ عرب کی بھڑکانے والی شاعری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قریش کے دو شاعروں کو اس کام پر مامور کیا۔ ان دونوں نے قریش کے قبیلے میں جا جا کر اپنے بیان کی گرمی سے اکسایا۔ اس کے علاوہ قریش کے بڑے بڑے گھرانوں کی پندرہ عورتیں سپاہیوں کا دل بہلانے لگیں ابوسفیان کی بیوی ہندہ (یعنی عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں) نے پہل کی، عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی ام حکیم، اور حضرت خالدؓ کی بہن فاطمہ نے ساتھ دیا۔ ہندہ کے باپ عتبہ کو بدر کے میدان میں حضرت امیر حمزہؓ نے مارا تھا۔ ہندہ نے اپنے غلام جبیر کو آزادی کی قیمت حضرت حمزہؓ کا سر مقرر کیا۔

قریش نے اپنی رضاکارانہ فوج تیار کی۔ احابیش کو ساتھ ملا کر خاصی طاقت جمع ہوگئی۔ تین ہزار سپاہ جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑ سوار شامل تھے ایک خاصی طاقت تھی۔ فوجی قوت کا یہ سیلاب سال بھر کی تیاری کے بعد مکہ سے روانہ ہوا۔ کئی دن مدینہ کی چراگاہوں میں گزارے اور بدھ کے روز اُحد پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت عباسؓ جو آنحضورؐ کے وفادار حامی تھے، خاص اجازت سے مکہ میں ہی رہ گئے تھے تاکہ دشمن کے اندرونی حالات پر نظر رکھیں۔ انھوں نے قاصد کے ذریعہ ۵ شوال ۳ھ کو حضورؐ کے لیے پوری رپورٹ بھیج دی۔ یہ اطلاع ملتے ہی شہر میں رات کو پہرے کا انتظام کیا گیا۔ صبح کو مشاورت طلب فرمائی۔ اس مشاورت

Marfat.com

میں بیشتر مہاجرین اور انصار نے شہر میں رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز رکھی۔ منافق اعظم عبداللہ بن ابی نے اس تجویز پر پُرزور حمایت کی۔ مگر نوجوان طبقے نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی تجویز پر زور دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی تجویز کو قبول فرمایا۔ عبداللہ بن ابی نے ایک اور خاص مقام پر محاذ بنانے کی تجویز ظاہر کی حضورؐ نے یہ تجویز بھی مسترد کی۔ منافق اعظم مایوس ہو کر اپنے تین سو حمایتیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔

مسلمان جاں باز ایمان کے جوش میں سرشار تھے۔ ہر نوجوان نے کوشش کی کہ اس معرکہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہو۔ رافع بن خدیج نے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اپنے آپ کو لڑائی کا اہل ثابت کیا اور سمرہ نے کشتی میں رافع کو گرا کر اپنی قوت کو تسلیم کرائی۔ ایک صالح تربیت اور خوشگوار مثبت ماحول کا یہی نتیجہ برآمد ہونے کی امید تھی۔ ان نوجوانوں کے علاوہ کچھ معزز خواتین بھی شامل ہوتیں۔

مسلم فوج کی تعداد سات سو تھی جس میں صرف ایک سو افراد زرہ پوش تھے۔ ایمان کی قوت اور قائدؐ اسلام کی صداقت پر بھروسہ تھا کہ وہ اپنے سے چار گنی اور خوب ہتھیار بند فوج سے ٹکر لینے جا رہے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ احد کو پشت میں ڈال کر اور مدینہ کو سامنے لے کر محاذ کا بہترین نقشہ ترتیب دیا۔ اور اوپر درّے پر پچاس تیراندازوں کو تلقین فرمائی کہ فتح اور شکست دونوں حالتوں میں اس درّہ کو نہ چھوڑیں تاکہ پیچھے سے حملے کا خطرہ نہ رہے۔

مسلمان بہادر میدانِ کارزار میں دشمن کے بے پناہ حملوں کو زیر کرتے گئے یہاں تک کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور نو دو گیارہ ہونے لگے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہوئی کہ چند مسلمانوں نے قیادت کو نظرانداز کر کے بشریت کو اپنے اوپر حاوی کر دیا۔ اور اپنی فتح کو مضبوط کرنے کے بجائے مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔ ادھر بڑی تلقین کے باوجود درّہ سے تیرانداز یہ سوچ کر کہ فتح ہو چکی ہے بشریت کے شکار

Marfat.com

ہوئے اور درّہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے حالانکہ اُنکے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے بھی چوکی نہ چھوڑنے پر زور دیا تھا۔

خالد جو بعد میں اسلام کے بڑے سپہ سالار ثابت ہوتے تیراندازوں کی غلطی سے فائدہ اٹھا کر سواروں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھا۔ عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر سب کے سب شہید ہوتے۔ خالد نے آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اسی دوران مسلمان فوج کے علمبردار مصعب بن عمیر جو قدرے صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے ایک کافر کے ہاتھوں شہید ہوتے۔ اس پر کفار نے غل مچایا کہ آنحضورؐ نے شہادت پائی۔ یہ شور سن کر مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے۔ ان کی صفیں بے ترتیب ہوگئیں اور دشمنوں کو رحمت عالمؐ تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ اس وقت صرف گیارہ جاں نثار آپؐ کے ارد گرد جمع تھے۔ ان میں حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ شامل تھے باقی صحابہؓ کو آپؐ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ آخر میں دور سے ایک صحابی نے حضورؐ کو پہچانا اور پکار اٹھا "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں"

یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے اور آپؐ کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمنوں کے دل کے دل آگے بڑھتے رہے مگر حضرت علیؓ کی ذوالفقار نے بجلی کی طرح وار روک لیے۔ ایک دفعہ بڑا ہجوم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا "کون ہے جو مجھ پر جان نثار کرنے کو تیار ہے؟" فوراً یکے بعد دیگر سات جان نثار شہید ہوتے۔ حضرت ابودجانہؓ انصاری جھک کر سپر بن گئے اور جتنے تیر آتے اپنی پیٹھ پر کھاتے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ اتنے میں ایک بدبخت قریش عبداللہ بن قمیہ جاں نثاروں کا دائرہ توڑ کر آگے بڑھا اور روئے مبارک پر تلوار ماری۔ چوٹ سے خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک پر چبھ گئے۔ حضرت وقاصؓ کے بھائی

عتبہ نے موقع پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر مارا جس سے دو دندانِ مبارک شہید اور لب لعل زخمی ہوا۔ پر اس نازک اور تکلیف دہ موقع پر بھی حضورؐ کی زبانِ مبارک پر یہ دعا تھی "اے پروردگار! میری قوم کو مغفرت فرما۔ وہ نہیں جانتے وہ بے خبر ہیں"

اللہ تعالٰے کو یہی منظور تھا کہ دندانِ مبارک شہید ہوں۔ آخر امت پر سختی برداشت کرنے اور اوروں کی طرف اذیت پہنچانے کے باوجود دشمنوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے دعائے خیر کرنے کی سنّت اور سبق حاصل کرنا اور کب نصیب ہوتا۔ آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے اور صابر بننے کا یہ واقعہ ایک بین ثبوت ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اسی معرکہ میں ایک بار دشمن کے ہجوم کی وجہ سے آپؐ گڑھے میں گر گئے اور کچھ چوٹیں بھی کھائیں، لیکن جان نثاروں نے غیر معمولی شجاعت اور قربانی کا ثبوت دیا۔ خود زخم کھاتے مگر حضورؐ کی مدافعت کی۔ اس کے بعد چند ثابت قدم ساتھیوں کے ساتھ آپؐ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر پہاڑی کی طرف بڑھا مگر حضرت عمرؓ اور دوساتھیوں نے اوپر سے پتھر برسائے اور ابوسفیان آگے نہ بڑھ سکا۔ مگر سامنے کی دوسری پہاڑی پر چڑھ کر ہبل دیوتا کا نام پکارا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ابوسفیان نے پھر ہانک لگائی "ہمارے ساتھ عزیٰ ہے، تمھارے ساتھ عزیٰ نہیں" ادھر سے جواب ملا "اللہ ہمارا آقا ہے، تمھارا آقا کوئی نہیں۔"

اس معرکہ میں ستّر مسلمان شہید ہوئے اور ۴۰ زخمی۔ دوسری طرف سے کفّار کے صرف ۳۰ آدمی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ شہدا میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ جیسے بہادر جرنیل بھی تھے۔ ان کی شہادت سے حضورؐ کو بڑا صدمہ ہوا خاص کر جب ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا سینہ پھاڑ کر جگر نکالا اور وحشیانہ انداز میں چبالیا۔ خود ابوسفیان نے بھی شہید حضرت حمزہؓ کے دہن مبارک پر کمان مار کر کہتا دیکھا گیا کہ "لواب مزہ چکھو"۔ اس کے برعکس حضورؐ نے

اسلامی سپاہیوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کریں۔

بہر حال جونہی مسلم فوج اپنے آپ میں آئی اور قیادتِ اعلٰے سے اس کا تعلق جڑا دشمن کی فوج جلدی کے ساتھ میدانِ کارزار سے کوچ کر گئی۔ اس طرح ان کی اتفاقی فتح کے پردے میں چھپی ہوئی کمزوریوں کا پول کھل گیا۔ اور مسلمانوں کی فوج دوبارہ تیار ہوئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ستر آدمیوں کا ایک دستہ دشمن کی فوج کے تعاقب کو نکلا۔ ابو سفیان کو محسوس ہوا کہ حاصل شدہ ثمرہ وہ میدانِ احد ہی میں چھوڑ آیا ہے۔ اب وہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ اس کی تلافی کیسے ہو سکتی ہے اور پھر سے مدینہ پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔

اُحد سے واپسی پر سالارِ اعظم ﷺ مدینہ جانے کے بجائے اپنی فوج ساتھ لے کر مدینہ سے آٹھ میل دور مقام حمرا الاسد تک جا پہنچے۔ اسی اثناء میں قبیلہ خزاعہ کے رئیس معبد نے ابو سفیان کو بذاتِ خود جا کر خوف دلایا کہ "محمد بہت بڑی قوت کے ساتھ آ رہے ہیں"۔ اس خبر سے ہراساں ہو کر ابو سفیان اپنا ارادہ بدل کر واپس چلا گیا۔

معرکہ احد سے اخذ شدہ نتائج اور نصائح

۱۔ معرکہ احد کو سامنے لا کر سب سے پہلے بات نظم و نسق کی اخذ ہوتی ہے۔ اور قائد کی مکمل اطاعت کو اوّلیت دی جاتی ہے۔ پچاس تیر اندازوں سے ۴۸ نے غلطی نہ کی ہوتی تو اسلامی فوج کی یہ عارضی ناکامی کبھی نہ ہوتی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک اعلٰے نصب العین کے مقابلے میں بشریت کے تقاضوں کو ابھرنے نہیں دینا چاہیے۔

۳۔ تیسری بات یہ نظر آتی ہے کہ اگر یہ لغزش نہ ہوئی ہوتی، آیندہ کے لیے اسلامی جماعت اس قدر فعال، محتاط اور بے غرض شاید نہ ہوتی۔

Marfat.com

۴: سب سے بڑی بات قائد اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقلال، اعلیٰ کردار اور اللہ تعالےٰ کی امداد پر یقین محکم کی ہے۔

۵: پانچویں بات جو اور ہی اہمیت رکھتی ہے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

چند گراں بہا مثالیں عرض کی جاتی ہیں:-

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ حضورؐ نے ان کے صاحبزادہ زبیرؓ سے بلا کر کہا کہ وہ حمزہؓ کی لاش جو بکھری پڑی تھی، نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آکر یہ کہا کہ بولیں "میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں۔ اور خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ آنحضورؐ کی اجازت سے لاش دیکھی۔ یہ صدمہ سنگین تھا مگر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے سوا ان کی زبان سے اور کچھ نہیں نکلا۔

ب: حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے سپر بن کر سارے تیر اپنے شانوں پر کھائے اور حضرت طلحہؓ نے تلواروں کے وار اپنے ہاتھوں سے روک لیے اور بہادری ایثار اور عشق رسولؐ کی مثالیں قائم کیں۔

ج: ابو دجانہؓ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے تو ابو سفیان کی بیوی ہندہ ان کے سامنے آگئی۔ اس کے وحشیانہ کردار اور زہریلے جذبات کے باوجود حضرت ابو دجانہؓ نے اس کے سر سے حضورؐ کی بخشی ہوئی تلوار واپس اٹھائی کہ اس عورت کا قتل رسولؐ اللہ کی عطا کردہ تلوار کے شایاں شان نہیں کہ اس سے کسی عورت کی جان لی جائے۔

قرآن نے مسلمانوں کو ذہن نشین کرایا کہ معرکۂ کارزار میں فیصلہ کن طاقت اخلاقی طاقت ہوتی ہے۔ اور اس اخلاقی طاقت کا اہم ترین شعبہ صبر ہے، فتح و شکست کا فیصلہ بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا اس کی خوشنودی کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے۔ اس حقیقت کو دعائیہ پیرائے میں سمو کر یوں بیان فرمایا ہے "کہو۔

Marfat.com

خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں، جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان سے جاندار کو اور جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

(آل عمران۔ ۲۶۔ ۲۷)

متذکرہ بالا عقیدت کو ذہن میں لا کر مسلمانوں کی مجموعی طاقت ایک اصولی نظریاتی اور دعوتی طاقت تھی۔ وہ متحرک تھی، فعال تھی اور اس میں نشو و نما کی کافی صلاحیت موجود تھی۔ مسلمانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اچھی طرح دلوں میں اتاری کہ معاشرت اور ثقافت کے دائرے میں دوسری قوموں کی تقلید ہرگز نہ کی جائے، بلکہ نئی تمدنی قدریں اپنے اصولوں کے سانچے میں ڈالی جائیں اور ہر ثقافتی نقش اپنے ہی مخصوص اسلامی ذوق کے رنگ میں تیار کیا جائے۔ لیکن ہر قوم کے مثبت اور بے داغ عمل کو اپنایا جا سکتا ہے۔

غزوۂ خندق (جنگ احزاب)

مسلمان معرکۂ احد کے بعد دو برس میں کچھ پیچیدگیوں کے شکار ہوئے، مگر ساری پریشانیوں کے باوجود بڑی حد تک آگے بھی بڑھے۔

ابوسفیان کے مزید جنگ کے ارادے کی خبر ملی کہ اس نے بڑی تیاریاں کی ہیں یہود اور دوسرے کفار کو ورغلایا ہے کہ اب کے ضرور فتح ہوگی۔ وہ چار ہزار سپاہی لے کر روانہ ہوا، جس میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے، ساتھی یہودیوں کو ملا کر تعداد دس ہزار تک ہو گئی۔

یہ اطلاع ملتے ہی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاورت منعقد فرمائی۔ تجویز مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کرنے کی ہوئی اور شہر کی حفاظت کے لیے حضرت

Marfat.com

سلمانؓ فارسی کا یہ مشورہ قبول ہوا کہ ایران کے طریقے پر خندق کھودی جائے۔ اس تجویز کی افادیت کا خاص پہلو یہ تھا کہ اس طریقِ دفاع کا نیا پن حرب حملہ آوروں کے لیے مشکلات کا باعث ہو سکتا ہے۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ نظر آیا کہ بلند فصیل تعمیر کرنے کے بجائے خندق کھودنے میں کم لاگت آئے گی اور کم افراد کی ضرورت ہو گی۔

آنحضورؐ گھوڑے پر سوار ہو کر خود خندق کا نقشہ معین کرنے نکلے۔ چونکہ شہر تین اطراف سے مکانات اور بلند فصیلوں والے باغات سے محفوظ تھا، لہٰذا خندق کی ضرورت صرف شمال ہی کی طرف محسوس ہوئی۔

اس خندق کی کھدائی کے لیے وہی تین ہزار مسلم رضاکار مزدور بنے جن کو دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ دس دس آدمیوں کی ٹولیاں بنائی گئیں، اور ہر ٹولی کو ۴۰ ذراع (۲۰ گز) کا ٹکڑا سونپا گیا۔ خندق کی چوڑائی تقریباً دس گز اور گہرائی تقریباً پانچ گز مقرر ہوئی۔ لمبائی ساڑھے تین میل بنی۔ اس طرح تخمیناً ایک سو مکعب گز سے کچھ زیادہ فی کس آئی۔ یہ کام کسی صورت میں آسان نہ تھا، خاص کر جب ضرورت کے مطابق اوزار بھی میسر نہ تھے۔ ٹوکریاں پوری نہ ہونے کے سبب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسی برگزیدہ ہستیاں چادروں اور دامنوں میں بھر بھر کے مٹی اٹھاتے رہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مزدور کی طرح کام کیا۔ حالانکہ سب نے کئی دن بھوکے رہ رہ کے گزارے۔ اسلام کے شیدائی ذاتِ اقدسؐ کے فدائی ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پیٹھوں پر لاد لاد کر پھینکتے رہے اور بآوازِ بلند کہتے رہے "جب تک جان میں جان ہے، ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے"۔

حضورؐ کی ٹولی میں حضرت سلمان فارسی بھی تھے۔ ان کو یہ فخر حاصل ہوا کہ حضورؐ نے فرمایا "سلمان ہمارے گھر سے ہیں"۔ چونکہ حضرت سلمان اوروں کی نسبت زیادہ کام کرتے تھے۔ اس لیے ہر ایک ٹولی ان کو اپنانا چاہتی تھی۔ حضرت رسول کریمؐ نے یہ مسئلہ اپنی حکمت عملی سے حل کر دیا۔

Marfat.com

حضرت سلمانؓ فارسی کا بیان ہے کہ "کھدائی میں ایک چٹان ایسی آئی کہ مجھ سے ٹوٹتی نہ تھی۔ آنحضورؐ قریب ہی تھے۔ آپؐ نے مجھ سے کدال لے کر ضربیں لگائیں۔ پہلی ضرب لگائی تو فرمایا کہ یمن میرے لیے فتح ہوا۔ دوسری ضرب پر فرمایا کہ شام اور المغرب میرے سامنے سرنگوں ہیں تیسری ضرب لگائی تو فرمایا کہ ایران فتح ہوا"

اس بشارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ شروع سے لے کر اخیر تک اپنی کامیابی کا ایک مستقل تصور رکھتے تھے۔ آپ کو مشکل ترین حالات میں یقینِ محکم اور توکل نے ساتھ نہ چھوڑا۔ کیونکہ آسمانی اشارے ہر لمحہ حاضر تھے۔

کھدائی کے درمیان بے سرو سامانی کے علاوہ بھوک اور اقتصادی بدحالی سے بھی پریشانیاں بڑھتی رہیں مگر جان باز جاں نثاروں کے قدم ڈٹے رہے۔ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا ہوا دکھایا گیا تو حضورؐ نے دو پتھر دکھائے۔ اس عمل سے جان نثاروں کے حوصلے اور بلند ہوتے اور ایک خوبصورت مثال پیش فرمائی کہ جب قائد جمہور کام میں پہل کرے تو باقی کارکن جاں فشانی سے دو چند کام کرتے ہیں اور مشکل آسان ہوتی جاتی ہے "بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" یہ قرآنی دعویٰ ہے۔ اور امتِ محمدیؐ کے لیے حوصلہ افزا تحفہ ہے۔

خندق کی تکمیل ہوئی۔ شوال ۵ھ میں اسلامی ریاست کے متحدہ دشمن فوجیں لیے آپہنچے۔ وادیٔ عقیق کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ مسلم فوج نے سلع کی پہاڑی کو پشت میں لے کر مرکزی کیمپ قائم کیا۔ جہاں اس وقت حضورؐ کا خیمہ نصب ہوا، آج یادگار کے طور پر مسجد فتح موجود ہے۔

دشمن کی تعداد زیادہ تو تھی مگر خندق کا مسئلہ اُن کے لیے رکاوٹ بنا۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ خندق کے کنارے تک ہی کارآمد تھے اگر کسی گھوڑسوار نے جوش میں آکر خندق پار کرنے کی کوشش کی تو جان کی قربانی دینی پڑی۔

اس طرح کفار بیس دن تک مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے پڑے رہے مگر شہر پر

Marfat.com

حملہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ایک جگہ خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی، ایک روز انھوں نے بڑی تیاری کر کے اسی رُخ سے حملہ کرنا چاہا۔ عمر بن عبدِ جو قریش کا سب سے بڑا سپاہی تھا، گھوڑا کودا کر اس پار آگیا اور اندر پہنچ کر للکارا۔ شیرِ خدا حضرت علی مرتضےٰ رضؓ نے مقابلہ کیا اور ایک زخم کھانے کے بعد اس کا کام تمام کر دیا۔ اس روز مسلم فوج اس قدر مصروف رہی کہ دشمنوں کی مدافعت میں چار نمازیں قضا ہوئیں (خدارا نماز کی اہمیت پر غور فرمائیے)۔

حملہ کا یہ دن بڑا سخت گزرا۔ دشمن نے ہر طرف سے تیر اور پتھر برسائے۔ مسلمان خواتین جس قلعہ میں محفوظ تھیں، یہود بنی قریظ کے پاس تھا۔ بنی قریظ موقع غنیمت سمجھ کر کہ مسلمان ادھر پھنسے ہیں، کیوں نہ خالی قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک یہودی پھاٹک تک پہنچ بھی چکا تھا۔ مگر حضرت زبیرؓ کی والدہ جو آنحضورؐ کی پھوپھی تھیں، نے آگے بڑھ کر اس کا سر کاٹا اور میدان میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنی قریظ سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج موجود ہے۔ اس لیے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

محاذ کی وسعت، محاصرہ کی طوالت، بے سروسامانی کی انتہا، فاقہ کشی کا عالم، شب بیداریاں اور نمازوں کا قضا ہونا، یہ سب کچھ ایک بڑا امتحان تھا، خاص کر جب مدینہ کے اندر غداری اور منافقت کا سلسلہ زور پکڑتا جا رہا تھا اور ہر وقت خدشہ رہتا تھا کہ پیچھے بچّوں اور خواتین پر حملہ نہ ہو۔ اس بات کے زیرِ نظر قائدِ اعلےٰ نے تین سو افراد کا ایک دستہ مدینہ کی حفاظت کے لیے روانہ فرمایا۔ اس نازک وقت کا نقشہ قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے: "(یاد کرو) جس وقت (دشمن) بالائی جانب اور زیریں جانب سے تمھاری طرف بڑھے تھے اور جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور اللہ کے بارے میں تمھارے دلوں میں طرح طرح کے گمان آنے لگے۔" (الاحزاب - ۱۰)

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس موقع پر مسلم طاقت کا جیسا کڑا امتحان ہوا، ایسا پہلے دو بڑے معرکوں میں نہ ہوا تھا۔ اب کی بار صرف قریش ہی نہ تھے اور

بھی بہت عناصر تھے۔ یہ سارا اضطراب حال دیکھ کر حضورؐ نے یہ تدبیر نکالی کہ دشمن کی کسی نہ کسی طاقت کو مصالحانہ تدبیر سے محاذ سے الگ کرایا جائے۔ آنحضورؐ نے بنی غطفان کے دو سرداروں کو بلوایا اور بات چیت کی۔ مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر سمجھوتہ ہونے کا امکان نکلا۔ معاہدہ کا مسودہ تیار کرایا گیا۔ لیکن دستخط فرمانے سے پہلے حضورؐ نے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہ (جو دونوں اوس اور خزرج کے سردار تھے) کے ساتھ مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ دونوں سرداروں نے اس معاہدہ پر اس لیے اتفاق نہ کیا کہ "پہلے کی نسبت آج ہم زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم کسی صورت میں ایک تہائی پیداوار نہیں دیں گے۔ خدا کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس جوش سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت ہوئی اور وہ تحریر حضور صلعم نے حضرت معاذؓ کو دی اور انھوں نے چاک کر دی۔"

اس نازک حالت میں اللہ تعالےٰ نے اس طرح حل کی صورت نکالی کہ انسانی عقل دنگ رہ گئی۔ نعیم بن مسعود آگے بڑھے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ "یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ ابھی تک چونکہ دشمنوں کو میرا اسلام لانا معلوم نہیں، لہذا اجازت ملی تو قریش اور بنی قریظہ کا اتحاد توڑنے کے لیے کچھ کام کروں۔" اجازت مل گئی تو نعیم بن قریظہ کے پاس گئے اور ابتدائی بات چیت کے بعد کہا کہ فتح کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن شکست کی صورت میں قریش اور بنی غطفان سبھی چلے جائیں گے اور تم لوگ تنہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ پس قریش اور بنی غطفان سے کہو کہ وہ کچھ آدمی تمہارے پاس بطور رہن رکھیں۔ اگر مان لیا تو ان کا ساتھ دو۔ ورنہ کنارہ کش ہو جاؤ۔"

چنانچہ جب قریش نے بنو قریظہ کو پیغام بھیجا کہ ہم محاصرہ سے تنگ آ چکے ہیں لہذا اب تم ساتھ دو تو حملہ کیا جائے۔ جواب میں بنو قریظہ نے ان سے کچھ آدمی رہن رکھنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ قریش کو راس نہیں آیا اور اس طرح بنو قریظہ کے تعاون سے ناامید ہو گئے۔

Marfat.com

قریش چونکہ طویل محاصرے کی کارروائیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ ان کی مشکلات بڑھ گئی تھیں۔ ساتھ ہی ایک رات کو اچانک شدید طوفان آیا۔ آندھی نے حملہ آوروں کے خیمے اکھاڑ دیئے۔ ہانڈیاں اور دوسرے برتن الٹ دیئے۔ اور ان کے جانور بھی بپھر گئے۔ اس طرح قریش حواس باختہ ہو گئے۔ ہر طرف مایوسی چھا گئی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جاتے۔ اس غیبی امداد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔" اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر کرو۔ جبکہ تمہارے خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے جن کو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔" (احزاب۔ ۹)

الغرض اس انتہائی مایوسی پر ابو سفیان نے فیصلہ کیا کہ مزید محاصرہ سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا ہے تو لشکر کو واپس جانے کا حکم دیا۔ اس مرحلہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہو گئیں۔" اس وقت بدر، احد اور خندق تینوں غزوات میں اللہ تعالےٰ کی غیبی امداد نے جان نثاروں کے عزم راسخ اور یقین محکم کو اور مضبوط بنا دیا۔

اس معرکہ میں دو طرفہ جانی نقصان بہت کم ہوا۔ مسلم فوج کے صرف چھ جاں بازوں کو جام شہادت نوش کرنا نصیب ہوا۔ ان شہداء میں حضرت سعد بن معاذؓ کی عظیم شخصیت قابل ذکر تھی۔

خندق کے معرکہ کے بعد بنو قریظہ کی غدّاری، بدزبانی اور بدکرداری کی بناؔ پر مسلم فوج نے اس غدّار قبیلے کو محاصرہ میں لے لیا جو ۲۵ روز تک جاری رہا۔ اسی دوران میں انھوں نے حضورؐ کو گالیاں تک دیں۔ مگر بالآخر تنگ آکر اپنے آپ کو مسلم فوج کے حوالے کر دیا۔

اسی دوران ایک حادثہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن حارثہؓ اپنا اور دوسرے صحابیوں کا مال لے کر شام کے تجارتی سفر پر گئے۔ واپسی پر وادی القریٰ میں بنی بدر نے ان کے قافلے پر ڈاکہ ڈالا۔ قافلہ کی تعداد کم تھی لہذا ۹ افراد شہید ہوئے۔ اور

Marfat.com

ڈاکو ایک زخمی اور سارا مال چھین کر لے گئے۔ آخر دو مہینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں مجرموں کو سزا دینے کے لیے مہم روانہ ہوئی۔ کچھ ڈاکہ زن قتل کیے گئے اور کچھ بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

اس دور کا سب سے اہم واقعہ جس کے اثرات سیاسی اور دفاعی حالات پر پڑے 'صلح حدیبیہ' ہے۔

معاہدہ حدیبیہ

اسلامی تاریخ میں معاہدہ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات یک لخت تحریکِ حق کے لیے بار آور ثابت ہوئے، یہود نے جب خیبر، تیما اور وادی القریٰ میں اڈا جمایا تو مدینہ دو محاذوں کے درمیان گھر گیا۔ مکہ کی طرف اقدام کریں تو خیبر کے یہودی اور بنو غطفان مدینہ پر چڑھائی کر سکتے تھے خیبر کی طرف جائیں تو قریش دھاوا بول سکتے تھے۔

مکہ کے آس پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی موجود تھے۔ ان کو آپؐ نے قحط کے دنوں میں غلہ اور نقدی سے مدد فرمائی تھی اور اس غریب عوام کو اپنا یا تھا۔ حضورؐ نے ایک اقدام یہ بھی فرمایا کہ ابوسفیان کی صاحب زادی ام حبیبہؓ کے ساتھ ازدواجی رشتہ جوڑا اور یہ شادی سیاسی طور پر بہت اہم تھی۔ ان باتوں کے علاوہ ایک نئے اقدام پر حضورؐ متوجہ ہوئے۔ چھ سال کی ہجرت کی وجہ سے مسلمان بکھرے پڑے تھے، مگر دعوتِ ابراہیمیؑ کی تجدید کرنا بھی اہم تھا۔ اب ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے حرم پر اپنے حق کا اظہار ہو۔

اسی اثناء میں الہامی اشارہ ہوا کہ حج کیا جائے۔ اشارہ پاتے ہی آپؐ نے ایک بڑی جماعت کو ساتھ لے کر حج کے حرام مہینوں میں عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا ۱۴ سو آدمیوں کو ساتھ لیا۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے لیکن جنگی ہتھیار نہیں لگائے

Marfat.com

گئے۔ مقام ذوالحلیفہ میں قربانی کے جانوروں پر نشان لگائے گئے۔

سیاسی لحاظ سے یہ سفر قریش کے لیے ایک بڑا بھاری چیلنج بن گیا۔ کیوں کہ اگر وہ مزاحمت نہ کریں تو مکہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا ہو گیا۔ چنانچہ عوام میں یہ چرچا پھیل جاتا کہ بس قریش اب بے بس ہو گئے۔ قریش کے نمایندہ سہیل بن عمرو نے کہا بھی تھا کہ اگر آپ کی جماعت کو حرم میں داخل ہونے دیں تو سارا عرب کہے گا کہ ایسا آپ کی طاقت کے ڈر سے کیا گیا۔

ان تمام باتوں کی اطلاع حضورؐ کو بشیر بن سفیان نے مقام اسفان پر آکر دی تھی کہ قریش مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ "محمدؐ کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے" آپؐ کو روکنے کے لیے خالد سواروں کا دستہ لے کر فراع الغنیم تک آچکا ہے۔ حضورؐ کا جواب تھا کہ "یہ قریش کی بدبختی ہے۔ جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ اگر وہ مجھے ختم کر دیں تو ان کی مراد پوری ہوئی اور اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو بڑی تعداد میں آکر اسلام قبول کر لیں۔ مگر آخر دم تک لڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اس حق کو اللہ تعالےٰ غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے"۔ اس طرح آپ نے مصالحت کا دروازہ کھول دیا کیونکہ قریش کو اپنی پتلی صورتِ حال کا احساس ہو چکا تھا مگر پریشان تھے کہ کیا کیا جائے۔ کیونکہ عوامی رائے زیادہ تر مسلمانوں کے حق میں تھی کہ مسلمان ہتھیار ساتھ نہیں لاتے ہیں اور قربانی کے جانوروں پر نشان لگ گئے تھے۔

اس کے فوراً بعد سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقا، چند اہم ساتھیوں کو لے کر حضورؐ سے آملے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم صرف زیارت حرم کے لیے آئے ہیں اور اس کی تعظیم ہمارے سامنے ہے، جنگ مقصود نہیں، کیوں نہ ایسا ہو کہ قریش چند سالوں کے لیے مصالحت کریں۔ اس طرح حضورؐ نے اصلی مدعا کا اظہار فرمایا۔

بدیل بن ورقا نے قریش سے جا کر بات چیت کی کہ دیکھو جلد بازی نہ کرو۔

Marfat.com

محمدؐ جنگ کے لیے نہیں، زیارت کعبہ کے لیے آتے ہیں۔ کچھ سرپھرے جوانوں کو چھوڑ کر تمام معمر لوگوں نے ساری بات سنی۔ پھر مکّہ سے جلیس بن علقمہ سردار احابیش کو بھیجا گیا۔ قربانی کے جانوروں کو چرتے دیکھ کر وہ متاثر ہوا۔ واپس جاکر قریش کے سامنے بیان کیا کہ آپؐ اور آپؐ کے جماعت کو روکنا جائز نہیں ہے۔ جواب ملا کہ ہمیں کچھ شرطیں تو منوانے دو۔

قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس نے کہا۔" اے محمدؐ! اگر آپؐ نے اپنی ہی قوم کو تباہ کر دیا تو کون سا بڑا کام کیا۔ یہ جو اوباش سے لوگ آپؐ نے اکٹھے کر لیے ہیں، یہ چند روز میں آپؐ کو چھوڑ جائیں گے۔ تو آپؐ تنہا رہ جائیں گے" یہ بات سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کو بڑا غصہ آیا اور سخت الفاظ میں عروہ کو ڈانٹا۔ اگر عروہ کبھی اپنا ہاتھ موئے مبارکؐ کی طرف بڑھاتا، تو ہر بار حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار کی نوک سے اس کے ہاتھ ہٹا دیتے۔ وہ ان حالات اور جذبۂ ایثار سے متاثر ہوا اور جاکر بیان کیا کہ" میں نے اطاعت کا جو منظر وہاں دیکھا وہ بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کے جاں نثار تو آپؐ پر دل و جان بھی چھڑکتے ہیں۔ اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ انؐ کے سامنے اونچی آواز میں کسی کو بولنے کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی"۔ اس رپورٹ سے قریش کو اپنی کم ظرفی اور کمزوری کا احساس ہوا۔

گفت و شنید کو آگے بڑھانے کے لیے آنحضورؐ نے خراش بن امیہ کو قریش کی طرف بھیجا۔ مگر کچھ شرارت پسندوں نے اس کے اونٹ کو مار ڈالا۔ جس پر سوار ہو کر وہ شہر میں گئے تھے۔ خود ان کی جان بھی مشکل سے بچ گئی اور وہ لوٹ آئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا۔ اوباش عناصر کے کچھ آدمی دیکھ بھال کے لیے نکلے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں پر تیر اور پتھر پھینکے۔ ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا مگر حضورؐ نے مصلحتاً ان کی رہائی کا حکم فرمایا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور واپس آنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ اور ساتھ ہی افواہ بھی پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے

گئے۔ حضورؐ نے فوراً جماعت کو اکٹھا کیا اور مر مٹنے کی بیعت لی۔ فرمایا۔ "ہم ان سے لڑے بغیر نہ پلٹیں گے۔ کیونکہ عثمانؓ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تفویض کردہ خدمت پر گئے تھے۔" بیعت اس طرح ہوئی۔ اپنے ایک دستِ پاک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ اس پر دوسرا ہاتھ اپنی طرف سے رکھ دیا۔ رفقاء لپک لپک کر آئے اور بیعت کرنے لگے۔ اس جذبے کو دیکھتے ہی حضورؐ نے فرمایا۔ "آج کے دن تم لوگ تمام زمین والوں سے اچھے ہو۔"

قریش کو ان حالات کا علم ہوا تو فوراً حضرت عثمانؓ کو واپس کر دیا۔ کیونکہ اب وہ لڑنے سے کتراتے تھے۔ مکّہ سے مکرز بن حفص آیا۔ رسولِ خداؐ دور ہی سے دیکھ کر پکار اٹھے "یہ ایک مکار ہے"۔ حضورؐ تاڑ گئے تھے کہ اس کے ذریعہ معاملہ طے نہ ہوگا۔ وہ واپس گیا اور قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ رسولؐ اللہ صلح پر آمادہ ہوتے۔ اس کے ساتھ شرائط معاہدہ پر بات چیت ہوئی اور حضرت علی مرتضےٰؓ کو کاتب معاہدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

تحریر معاہدہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل نے کہا کہ اس کے بجائے "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھا جائے۔ حضورؐ نے یہ مطالبہ قبول فرمایا اور کہا کہ "لکھو ذیل کا معاہدہ محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا ہے۔ سہیل نے کہا کہ اگر میں مانتا کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے خلاف لڑتا ہی کیوں۔ بس اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے۔ حضرت علیؓ "محمد رسول اللہ" کے الفاظ لکھ چکے تھے اور فرطِ ادب میں اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹانا ان کو گوارا نہ ہوا۔ حضورؐ نے تحریر لے کر خود یہ الفاظ کاٹ دیئے اور ان کی جگہ "بن عبداللہ" لکھا گیا۔

Marfat.com

سہیل کے اس گستاخانہ رویہ اور انداز سے حضورؐ کے رفقاء لال پیلے ہو رہے تھے مگر احترام رسالت کی وجہ سے اپنے غصّے کو دبالیا۔ اب ذیل شرائط قلم بند ہونے لگیں :۔

۱: فریقین دس سال کے لیے جنگ بندی اور صلح رکھیں گے۔

۲: مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال زیارت کعبہ کے لیے آئیں اور صرف نیام کردہ تلواروں کے ساتھ تین روز حرم میں گزاریں۔

۳: قبائل عرب کو آزادی ہوگی کہ فریقین معاہدہ میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ تعلق قائم کریں۔

۴: قریش کے تجارتی قافلے حدود مدینہ سے گزریں تو ان کو امان حاصل ہوگی۔

۵: قریش کا کوئی آدمی اگر بلا اجازت مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس معاہدہ کی آخری شرط نے حضورؐ کے رفقاء کے جذبات میں ہلچل مچادی ۔۔نکہ ظاہر میں تو حالات ان کے حق میں تھے، مگر تحریر بہت حد تک ان کے خلاف ۔۔۔ آتی تھی۔ جذبات کا یہ اتار چڑھاؤ بڑی حد تک قائم رہا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ۔۔۔ "رسول اللہ" کے الفاظ کا کاٹنا گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر رسول پاکؐ اس معاہدے کے ذریعہ بڑے بڑے مسائل حل کرانے کی جو راہ نکال رہے تھے، وہ قریش اور مسلم جماعت دونوں کے لیے سمجھ سے باہر تھی۔ جو دور اندیشی حضورؐ میں تھی وہ بھلا اوروں میں کہاں ؟

اس دوران سہیل کا بیٹا ابو جندل بیڑیاں پہنے ہوئے لایا گیا۔ تو سہیل نے ابو جندل کو جو مسلمان ہو چکا تھا، واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے بادلِ ناخواستہ موقع کی نزاکت جان کر مطالبہ قبول فرمایا۔ ابو جندل کی فریاد رقت آمیز تھی جب اس نے کہا "مسلمانو کیا تم مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو جو مجھے ایمان سے ہٹانے کے لیے مجھ پر تشدد کریں گے؟" یہ اپیل تو اشتعال انگیز تھی مگر حضورؐ نے نرمی

Marfat.com

سے سمجھایا کہ "معاہدہ میں یہ بات تسلیم کر لی ہے اور عہد شکنی ہمارا شعار نہیں۔ تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی اور راہِ نجات نکال لے گا۔ ذرا صبر سے کام لو۔"

جماعت تحریکِ اسلام کا جامِ صبر اب لبریز ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جذبات کے عالم میں پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر رسالت مآبؐ سے یوں مکالمات کیے۔

حضرت عمرؓ : اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

رسول اکرمؐ : کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ : کیا پھر ہم مسلمان نہیں ہیں؟

رسول اکرمؐ : کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ : اور کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟

رسول اکرمؐ : کیوں نہیں!

حضرت عمرؓ : پھر ہم دین کے معاملے میں دب کر کیوں رہیں؟

رسول اکرمؐ : میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے کسی حکم کو توڑ نہیں رہا۔ اور نہ وہ مجھے اپنی مدد سے محروم رکھے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ تو ہو گئے۔ لیکن جذبات میں دیر تک ٹھیراؤ نہیں آسکا۔ معاہدہ لکھا گیا اور اطاعتِ رسول کے لیے حضرت عمرؓ نے بطور گواہ دستخط ثبت کیے، یہ سوچ کر کہ حضورؐ کا حکم بسروچشم ہے۔

حضورؐ نے قربانی دینے اور سر مونڈانے کا حکم دیا، مگر اضطراب اور غم واندوہ کی وجہ سے تعمیل میں قدرے تاخیر ہوئی۔ ام سلمہؓ کی تسلی دہی کے بعد سرورِ عالمؐ اٹھے اور باہر قربانی کی اور بال اتروائے۔ اب ساری جماعت نے اطاعت واتباع کی۔

حضورؐ کو جنگ سے ہٹ کر مصالحت کی فضا حاصل کرنے کے لیے کتنی پیچیدہ حالات سے گزرنا پڑا اور اپنی محبوب جماعت کے پاکیزہ جذبات تک کی قربانی اُس

Marfat.com

مثبت مقصد کے لیے کس طرح دی۔ اس معاہدہ کے ذریعہ مسلم جماعت اور مشرکین مکہ اور عرب کے درمیان ہر طرح کے میل ملاپ کے راستے کھل گئے لوگوں کی آمد و رفت آسان ہوئی۔ عزیز و اقارب پھر اکٹھے ہوئے۔ غلط فہمیاں دور ہوتی گئیں۔ لوگوں کی اپنی روحانی، ذہنی، علمی اور اخلاقی ترقیوں کے بارے میں سوالات کے دروازے کھل گئے اور جوابات حاصل ہوئے۔ منزل کی طرف جانے کے لیے یکسوئی کا موقع مل گیا۔ اور غیر ملکی حکومتوں کو دعوتِ اسلام دینے کا موقع میسر ہوا۔ عرب کے قبائل کو آزادی ملی کہ ان میں جو بھی چاہے حکومت مدینہ کا ساتھ دے۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے عین موقع ہی پر اسلامی حکومت سے تعلق جوڑ لیا اور ایک سال کے بعد بڑی شان کے ساتھ مسلمان جماعت زیارتِ حرم کے لیے مکہ میں داخل ہوئی تو اس وقت قرآن کی پیش گوئی کے مطابق "لَا تَخَافُوْنَ" کا سایہ موجود تھا اور واپسی پر "فَتْحًا مُّبِیْنًا" کی بشارت نے اور تقویت دی تھی۔

اب اسلامی جماعت کی سمجھ میں بات آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیش نگاہ میں کتنی بصارت تھی اور قریش نے بھی اپنی ظاہری طور پر جیتی ہوئی بازی ہار کی صورت میں محسوس کی، جو چند برس کے اندر اندر فتح مکہ پر منتج ہوئی۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خیبر کے یہود ــــ مسلمانوں کے دشمن

سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے ذوالحجہ میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑے دنوں کے بعد محرم ۷ھ کو خیبر روانہ ہو گئے۔ یہ مقام اسلامی ریاست کے خلاف ایک نہایت ہی فعال سیاسی اڈا تھا۔ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں یہودیوں نے اسلام دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ اور مدینہ کی حکومت کبھی برداشت نہ کر سکتی تھی کہ اس کالے سانپ کو نقصان پہنچانے کا مزید موقع دیا

Marfat.com

جائے۔ خیبر کے یہودیوں کے خلاف یہ کارروائی ان کے سیاسی جرائم کی وجہ سے کی گئی۔
حضورؐ چودہ سو سپاہی ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ اور بمقام رجیع پڑاؤ ڈالا۔ مسلم فوج کو اچانک دیکھ کر خیبر کے لوگ بھاگ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔

قلعہ النطاۃ پر حملہ ہوا۔ دونوں طرف سے تیر پھینکے گئے۔ بالآخر مسلمان فتحیاب ہوئے۔ قلعہ مصعب کا محاصرہ ہوا۔ یہاں بھی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ قلعہ قموص سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا۔ حضورؐ شدید سردرد کی بنا پر معرکہ میں شریک نہ ہوسکے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اس مہم کے لیے نامزد فرمایا۔ محمد بن مسلمہ حضرت علیؓ کی تلوار سے مارا گیا۔ مسلمہ کے بھائی یاسر کو حضرت زبیرؓ نے قتل کر ڈالا۔ یہ مضبوط قلعہ ۲۰ روز کے محاصرے کے ذریعہ حضرت علی کی کمان میں فتح ہوا۔ اس ظفریابی کے بعد حضرت علی مرتضےٰؓ کو فاتح خیبر کا لقب مل گیا۔ شکست کھانے کے بعد یہود جب قلعے سے بھاگ گئے تو مشہور دشمنِ اسلام حی بن اخطب کی صاحب زادی جناب صفیہؓ دو چچازاد بہنوں کے ساتھ مقید ہوئیں۔ چونکہ جناب صفیہ ایک معزز سردار کی بیٹی تھیں صحابہ کے مشورہ سے حضورؐ نے ان کو اپنے حرم میں لے لیا۔

شکست کھانے کے بعد یہودی قلعہ الزبیر میں جمع ہوئے اور تین روز کے محاصرے کے بعد وہ قلعہ سے باہر آئے۔ خوب زور شور سے لڑے مگر منہ کی کھانی پڑی۔ دس یہود مارے گئے اور چند مسلم سپاہی بھی شہید ہوئے

اب تین قلعے الکتبہ، الوطیح اور السلالم باقی تھے۔ یہود کی تمام قوت اب ان کے اندر اکٹھے ہوگئی۔ مگر مسلم فوج نے چودہ دن کے محاصرے کے بعد منجنیق کی مدد سے ان پر سنگ باری کی۔ یہود بے بس ہوئے تو مصالحت کی کوشش کی۔ گفتگو کے بعد ان کے لیے فیصلہ ہوا کہ صرف جانیں لے کر چلے جائیں۔ انھوں نے پھر درخواست کی کہ زمین اور باغوں کی کاشت پر لگایا جائے، اور یہیں رہنے دیا جائے۔ رحمتِ عالمؐ نے فراخدلی سے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ نصف پیداوار پر معاملہ طے ہوا۔ اسی کارروائی کے دوران دو یہودی نوجوان حویصہ اور محیصہ مسلمان ہوئے۔

Marfat.com

ایک چرواہا اسود راعی حضورؐ پرُ نور اور اسلام کی باتیں سن کر مسلمان ہوا تو حضورؐ کے ارشاد سے لوگوں کی بکریاں قلعے کے نزدیک لے جاکر کنکریوں سے آبادی کی طرف ہانک دیا۔ حضورؐ چاہتے تو ان بکریوں کو سپاہیوں کے لیے ذبح کرتے، مگر امانت داری کا خیال جنگ کی حالت میں بھی رکھا گیا۔ واپس آکر چرواہے نے شہادت کے بدلے کیا کچھ ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضورؐ نے جنّت کی خوشخبری سنائی تو وہ لڑا اور جامِ شہادت نوش کیا۔

خیبر کی فتح کے بعد مسلم فوج نے ایک اور اڈے وادی القریٰ کو بھی فتح کر لیا۔ اور وہاں بھی خیبر کی طرح لوگوں کو زمین اور باغوں کو کاشت کرنے کا کام دیدیا۔

اس فاتحانہ کارروائی کے نتیجے میں خیبر اور فدک کے زرخیز رقبے سرکاری زمین قرار دیئے گئے، اور ان سے ریاست کے سربراہ کار، ان کے لواحقین اور معاشرہ کے غرباء کی کفالت کی جانے لگی۔

عُمرۃ القضا

صلح حدیبیہ میں قریش سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اس سال بغیر عمرہ کیے ہوئے واپس چلے جائیں اور سال آیندہ عمرہ کے لیے آئیں اور تین دن قیام کریں۔ اس وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو حکم دیا کہ اس عمرہ کی قضا کے لیے روانہ ہوں، جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں روکا تھا اور یہ بھی حکم دیا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے بجز شہدا کے کوئی نہ رہ جاتے۔ سب کے سب شریک ہوں۔

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمیعت کے ساتھ آپ مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے۔ سو گھوڑوں کے علاوہ قربانی کے ستر اونٹ لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر مسجد میں آپؐ نے اور صحابہ نے احرام باندھا اور لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوتے۔ احتیاطاً

ہتھیار ساتھ رکھ لیے مگر معاہدہ حدیبیہ کے شرط کے مطابق ہتھیار حرم میں ساتھ لینے کے بجائے بطن میں چھوڑ دیئے جو مکّہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور دو سو آدمیوں کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔ بروئے معاہدہ قریش کو تین دن کے لیے حرم بالکل کھول دینا پڑا۔ بعض کٹّر مخالفین شہر چھوڑ کر دور پہاڑ کی طرف چلے گئے، کیونکہ یہ منظر دیکھنا گوارا نہ تھا۔ لیکن عام باشندے، عورتیں اور بچّے دار الندوہ کے پاس کھڑے ہو کر اس انقلابی طاقت کا نظارہ کر رہے تھے۔ جس نے انہی فضاؤں میں ابتدائی نشوونما پائی تھی۔ داخلہ اس شان سے ہوا کہ عبداللہ بن رواحہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی باگ تھامے ہوئے آگے آگے ایک رجزیہ گیت الاپ رہے تھے:۔

۱: بِاسْمِكَ الَّذِي لَا دِينَ إِلَّا دِينُهُ. بِاسْمِ الَّذِي مُحَمَّدٌ رَسُولُهُ

اس ہستی کا نام لے کر ہم داخل ہوتے ہیں۔ جس کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں۔
اس ہستی کا نام لے کر ہم داخل ہوتے ہیں، محمدؐ جس کے رسول ہیں۔

۲: اے کفّار کی اولاد، اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ الرحمٰن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی ہے۔

کفار کچھ بول نہ سکے۔ معاہدہ نے ان کے ہاتھوں اور زبانوں کو باندھ رکھا تھا۔ یہ منظر لوگوں کو بتا رہا تھا کہ وہی لوگ ہیں جن کو تم نے بغیر قصور کے کئی سال تک دُکھ دیئے تھے۔

تین دن تک شہر میں رہ کر اس جماعت نے اپنے نظم ونسق، عبادت اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ چوتھے روز سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپؐ انصار کے درمیان بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ سہیل نے کہا "تین دن پورے ہو چکے ہیں۔ اب میری زمین سے نکل جاؤ"۔ سعد بن عبادہ اس طرز خطاب پر ضبط نہ کر سکے۔ انھوں نے کہا "زمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی ہم ہرگز نہ نکلیں گے"۔ سرورِ عالمؐ نے فضا کو ٹھنڈا

Marfat.com

کرنے کے لیے لطیف اندازِ گفتگو اختیار فرمایا۔ حضورؐ نے اسی موقع پر حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا تھا۔ فرمایا "دیکھو! ہم نے یہاں سے نکاح کیا ہے۔ کیا حرج ہے ذرا کھانا دانہ پک جاتے۔ ہم بھی کھائیں اور آپ لوگ بھی شریک ہوں" مگر سہیل کی کثافت مزاجی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور کہا کہ "ہمیں کھانے دانے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ چلے جائیے۔" حضورؐ نے جماعت کو کوچ کا حکم دیا۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلی دفعہ یہ سفر بالکل دینی تھا۔ مگر دوسری دفعہ دینی بھی تھا اور سیاسی بھی۔ اس سے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اس کی وجہ سے اسلام کا نفوذ نہ صرف مکہ میں بڑھ گیا۔ بلکہ سارا عرب مسلمانوں کی طاقت سے متاثر ہوا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

فتح مکہ

بدر، احد اور احزاب کے سارے معرکوں میں جاہلی قوتیں خود چڑھائی کر کے مدینہ آئیں اور ساری جنگی کارروائیاں اسلامی صدر مقام کے آس پاس ہوئیں۔ اسلامی فوج نے محض مدافعانہ حیثیت اختیار کی۔ معرکہ خندق کے بعد رسول اکرم صلعم نے پیش گوئی کی تھی کہ اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہو گئیں اور ان شاء اللہ ہم ان کے خلاف دھاوا بولیں گے۔ اس بشارت سے غازیانِ اسلام کے حوصلے بلند ہوتے۔ ساتھ ہی صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور قریش کی طرف سے حملے کا خطرہ ختم ہو گیا۔ یہودی سازشوں کی بیخ کنی ہوئی۔ دوسری چھوٹی چھوٹی شورشوں کو بھی پھرتی کے ساتھ دبا دیا گیا۔ اس طرح معرکہ خندق اور فتح مکہ کے درمیانی وقفے میں اسلامی تحریک کا بول بالا رہا۔ اور اپنے سیاسی وجود کو تسلی بخش طور پر منوایا۔ عوامی عناصر کو محسوس ہونے لگا کہ مستقبل قریش کا نہیں، آنحضور صلعم کا ہے۔ قریش کی شامتِ اعمال یہ تھی کہ انھوں نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا جوان کے لیے

Marfat.com

حفاظت کا ضامن تھا۔

بنی بکر اور بنی قزاعہ کے درمیان پہلے سے دشمنی تھی، وہ ایک دوسرے سے انتقام لینے پر تلے ہوتے تھے، مگر جب دیکھا کہ تحریک اسلام نے تشویشناک صورت اختیار کی ہے تو قریش اور دوسرے مشرک قبائل نے اس پاک تحریک کی مخالفت کے لیے متحدہ محاذ بنایا۔ صلح حدیبیہ سے فائدہ اٹھا کر بنو قزاعہ نے آنحضورؐ سے حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا اور بنو بکر قریش کے ساتھ رہے۔ بنو بکر نے بنو قزاعہ کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ اور مل کر بھرپور حملہ کر کے خوب ظلم ڈھایا، یہاں تک حرم میں بھی ان کے پناہ گزینوں کو نہ چھوڑا اور حالتِ نماز میں بھی درگذر نہ گیا۔ قریش نے اپنے حلیف کی پوری پوری مدد کی اور اپنی احمقانہ حرکت سے معاہدۂ حدیبیہ کو پامال کر دیا۔ بنو قزاعہ کی طرف سے عمرو بن سالم نے سرور عالمؐ کی بارگاہ میں فریاد کی۔ سارا حال سن کر حضورؐ پر حلیفانہ عہد کی وجہ سے واجب ہو گیا کہ بنی قزاعہ کی مدد کی جائے۔

حضورؐ انور نے قریش کو قاصد کے ذریعہ تین شرطیں بھجوا دیں:۔

۱: مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

۲: بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳: ورنہ معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ کے لیے فوری اعلان کریں۔ قریش نے خالص تیسری شرط مان لی اور یہی فیصلہ ان کی شامتِ اعمال کا باعث بنا۔

قریش کے لڑنے کی طاقت ختم ہو چکی تھی، سابقہ معرکوں میں ان کے نمایاں اور چیدہ چیدہ آدمی مارے گئے تھے۔ معشیت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ان کے حلیف کچلے جا چکے تھے، اس کے برعکس مدینہ دعوتی اثرات وسیع کر چکا تھا۔ اور مکہ کے اردگرد بھی اسلامی ریاست کے قبائل کا ایک پر اثر حلقہ پیدا ہو چکا تھا۔ حلیفانہ تعلقات کا دائرہ پھیلایا جا چکا تھا۔ اور نظامِ نو کی عمارت بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ مقابلے میں قریش کی دفاعی قوت پتلی ہو چکی تھی۔ جو کچھ بچاؤ تھا انھوں نے خود معاہدہ حدیبیہ کو توڑنے سے ختم کر دیا تھا۔

Marfat.com

ان سب باتوں کا جائزہ لیتے ہوئے مکہ کا سب سے بڑا لیڈر ابوسفیان پریشان ہوکر مدینہ روانہ ہوا کہ تجدید معاہدہ کرے، مگر مایوس ہوا اور بے عزتی اٹھائی۔ وہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر جاکر بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے لپک کر بستر اٹھالیا کہ تم مشرک ہوکر رسولؐ خدا کے پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جا جاکر ملے اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے پاس جاکر سفارش کی درخواست کی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو حضرت علیؓ کے مشورے سے مسلمانوں کے مجمع میں یک طرفہ مصالحانہ ذمہ داری کا اعلان کیا اور آنحضورؐ کی طرف سے قبولیت کے بغیر ہی واپس مکہ چلا گیا۔ ساتھیوں کے سامنے روداد پیش کی تو جواب ملا کہ حضرت علیؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے۔

اس واقعہ کے فوراً بعد آنحضورؐ نے اعلان فرمایا کہ مسلمان تیار ہو جائیں۔ اور گھر میں حکم فرمایا کہ ہتھیار تیار کریں۔ لیکن یہ امر راز میں رکھا جائے کہ کدھر کا ارادہ ہے۔

سالارؐ اعظم نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر عظیم ساتھ لے کر دس رمضان ۸ھ بروز چہارشنبہ کو مدینہ سے کوچ فرمایا۔ آپؐ نے ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے ایسا راستہ اختیار کیا کہ قریش کی گشتی ٹولیوں کو بالکل پتہ نہ لگ سکا اور مسلم فوج نے اچانک مکہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔

حضور انورؐ جحفہ پہنچے تو ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی نے باریابی کی اجازت مانگی۔ انھوں نے قریبی عزیز ہونے کے باوجود اسلام کی مخالفت میں جو اذیتیں حضور پاکؐ کو دی تھیں، ان کی بنا پر آپؐ نے ملنے سے انکار فرمایا۔ ابوسفیان نے مایوس ہوکر کہا کہ معافی نہ ملے تو میں تمام بال بچوں کو تپتے ہوئے ریگستان لے جاؤنگا اور ہم سب بھوکے پیاسے رہ کر مرجائیں گے۔ ام سلمہؓ نے بھائی کی سفارش کی اور حضرت علیؓ نے دونوں کو مشورہ دیا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے الفاظ میں معافی طلب کریں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ "بخدا! اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی،

Marfat.com

اور واقعی ہم خطا کار ہیں"۔

رحمتِ عالمؐ کا دل مبارک ان الفاظ سے موم ہو گیا اور آپ نے حضرت یوسفؑ ہی کے الفاظ میں جواب دیا۔

"تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے"۔

مرّ الظہران کے مقام پر جب فوجی کیمپ لگایا گیا تو حضورؐ نے حکم صادر فرمایا کہ ہر سپاہی اپنے لیے علاحدہ آگ روشن کرے۔ اس حکم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی حکمت عملی موجود تھی۔ بلندی سے دس ہزار چولھوں کی روشنی دیکھ کر ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا سکتے میں پڑ گئے کہ اتنی بڑی فوج مکہ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ پاس ہی سے حضرت عباسؓ گزرے، آواز پہچان کر ابوسفیانؓ کو پکارا۔ بات چیت ہوئی تو بتایا کہ اتنی بڑی فوج آ گئی ہے۔ اب قریش کی خیر نہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ جواب ملا کہ میرے ساتھ خچر پر بیٹھ جاؤ تاکہ جا کر حضورؐ سے بات چیت کی جائے۔ نزدیک پہنچے تو حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور ابوسفیانؓ سے پکار اٹھے "او دشمن خدا! آج تم پر قابو ملا"۔ دوڑے دوڑے قتل کی اجازت لینے سرورِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے اپنا موقف بتایا کہ میں ابوسفیانؓ کو پناہ دے کر لایا ہوں۔ اس موقع پر یہ بات چیت ہوئی۔

رسول خدا : کیوں ابوسفیان! کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے؟

ابوسفیان : کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آیا ہوتا۔

رسول خدا : کیا اس بات میں کوئی شک ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں؟

ابوسفیان : اس میں قدرے شبہ ہے۔

بہرحال حضرت عباسؓ اس کی کمزور نفسیات کو سمجھ کر ابوسفیان کی طرف بول اٹھے "جانے بھی دو۔ اب سیدھی طرح سے مسلمان ہو جاؤ"۔ اس طرح مکہ کا سب سے

Marfat.com

بڑا لیڈر حالات سے مجبور ہو کر اور دعوت کی صداقت کو پہچان کر اسلام کے دائرے میں داخل ہوا۔ پھر بھی مکہ میں داخل ہونے سے قبل اس کو لطیف انداز میں حراست میں رکھا کہ اسے محسوس تک نہ ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے لیے فوج نے کدا کا راستہ اختیار کیا۔ حضورؐ کے اشارے سے ابوسفیان کو ایک ٹیلے پر کھڑا کیا گیا تاکہ اسلام کی عظمت کو پہچان سکے۔ اپنا اپنا علم لیے جب دستے گزرتے گئے تو ابوسفیان ہر دستے کے بارے میں پوچھتا گیا۔

سعد بن عبادہ جب اس مقام سے گزرے تو سپاہیانہ جوش میں آکر پکار اٹھے " آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کے دن کعبہ کا ماحول معرکہ کے لیے کھول دیا جائے گا۔"

آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سادگی کی شان سے گزری۔ آگے آگے زبیر بن العوام علم اٹھائے ہوئے تھے۔ جب حضورؐ کو سعد بن عبادہ کے نعرہ کا علم ہوا تو فوراً ان سے علم واپس لے کر اس کے بیٹے کے سپرد کرا دیا اور فرمایا۔

" آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور برّ و وفا کا دن ہے۔"

اس طرح رحمتِ عالم نے ایک ہی فقرہ میں اپنی فاتحانہ پالیسی کا اعلان فرمایا۔ جو عفو و کرم پر مبنی تھا۔ پھر یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی مسجد حرام میں داخل ہو گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اور جو کوئی بھی مقابلہ کے لیے ہتھیار نہ اٹھائے گا اس کے لیے امن ہے بشرطیکہ کسی قابلِ تعزیر جرم کا مرتکب نہ ہو۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ خود ابوسفیان نے مکہ میں آگے بڑھ کر اس اعلان کو باآواز پکارا۔ یہ آواز سن کر اس کی بیوی ہندہ اس کی مونچھ کھینچ کر چلائی کہ " اے بنی کنانہ! اس کمبخت کو قتل کر دو یہ کیا بک رہا ہے؟" وہ گالیاں دیتی رہی اور لوگ جمع ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اب ایسی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کی تاب اب کسی میں نہیں ہے۔

حضورؐ کا لشکر جب شہر میں داخل ہوا تو دنیا بھر کے فاتحین کے برعکس سر عجز و

Marfat.com

انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے اس طرح جھک رہا تھا کہ پیشانی کجاوے کو چھو رہی تھی اور زبان سورۃ فتح کی تلاوت کر رہی تھی۔

اس بے مثال کردار کے اظہار کے باوجود قریش کے چند کوتاہ اندیشوں نے اوباشوں کو جمع کر کے شرارت کرنے پر آمادہ کیا۔ دو صحابی کرز بن جابر اور خنیس بن خالد لشکر سے جدا ہو کر کسی دوسرے راستے جا رہے تھے تو ان اوباشوں نے دونوں کو شہید کر دیا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی تو انھوں نے فوراً ان کی سرکوبی کی۔ بارہ آدمی مارے گئے اور بقیہ بھاگ نکلے۔ ایسی ہی ایک ٹولی اور مزاحمت کرنے کے لیے جمع ہوئی تو حضورؐ کے اشارے سے حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعہ انصار کا دستہ طلب فرمایا اور ان کو یہ منظر دکھایا کہ دیکھو ایک طرف سے عفو و رحمت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور دوسری طرف یہ کم ظرف لوگ شرانگیزی پر اتر آئے ہیں اور ہمیں مقابلہ کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ حکم فرمایا کہ جو کوئی مزاحمت کرے تو ان کا پوری طرح صفایا کر دیا جائے۔ ابوسفیان کو اس فرمان کی اطلاع ملی تو دوڑا دوڑا پہنچا اور التجا کی۔ "یارسول اللہ! قریش پہلے ہی تباہ ہو چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا نام و نشان ہی مٹ جائے۔" کچھ شرارت پسندوں کو بار بار بھگا دیا گیا۔

حضورؐ کے اس عفو و کرم کو دیکھ کر انصار کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید آپؐ اپنی قوم کے ساتھ مکہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے اور اس طرح ہم اس عظیم ہستی سے محروم ہو جائیں آپ نے ان سے خطاب فرمایا۔ "خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے خدا کی طرف اور تمھاری طرف ہجرت کی۔ اب میرا مرنا اور جینا تمھارے ساتھ ہے۔" اس پُرخلوص خطاب سے انصار متاثر ہوئے اور معذرت چاہی۔ رحمت عالمینؐ نے ان کی معذرت قبول فرمائی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص الخاص رفقاء کے ساتھ حرم پہنچے۔ حجر اسود کا استلام کر کے حرم میں موجود ایک ایک بت کے پاس جا کر پکارا۔ "حق آگیا اور باطل گیا، اور باطل کو جانا ہی تھا۔" پھر کعبہ کی کنجی طلب فرما کر دروازہ کھولا۔ حضرت

Marfat.com

ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں اتاری گئیں اور سارے اصنام توڑ توڑ کر ختم کر ڈالے اور اس کارروائی کے بعد نماز اور اذکار میں مصروف رہے۔ جو لوگ مسجد کے سامنے جمع ہوئے تھے اور اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بے تاب تھے۔ ان سے یوں خطاب فرمایا "ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کو مدد دی۔ اسی کے لیے تمام لشکروں کو شکست دی، آج تمام کبر و غرور، خون کے تمام دعوے، مال کے تمام مطالبے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ البتہ حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی کے عہدے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قریش! اب خدا نے تمھاری جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں"۔

پھر قرآن شریف کی آیت پڑھی "لوگو! میں نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمھیں قبیلوں میں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے کہ تم باہمدگر پہچانے جاؤ۔ لیکن خدا کے سامنے معزز وہی ہے جو پرہیزگاری میں پیش پیش ہو۔ بلاشک اللہ تعالیٰ دانا اور باخبر ہے"۔

اس کے بعد حضورؐ نے ایک قانونی اعلان فرمایا۔

"خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے"۔ حضور انورؐ نے پوچھا۔
"تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

یہ الفاظ سن کر قریش اپنی کرتوت اور افعالِ بد ذہن میں لا کر نہایت بے بس اور ندامت کے عالم میں پکار اٹھے۔ آپ تو شریف بھائی ہو اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہو۔" ادھر سے فراخدلانہ جواب ملا۔ "تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ یہ محبت سے بھرا ہوا جواب سن کر قریش نے ضرور محسوس کیا ہو گا کہ رحمت عالمؐ سے یہی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ کیونکہ آپؐ زمینوں سے زیادہ لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

Marfat.com

حضورؐ کی فراخدلی کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو :۔

کعبہ کی کنجی قیامت تک کے لیے انھیں عثمان بن طلحہ کو تفویض فرمائی۔ جنھوں نے دعوت کے ابتدائی دور میں چابی دینے سے حضورؐ کو سختی سے انکار کیا تھا۔ مگر اس وقت حضورؐ نے مستقبل پر نظر جماتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ایک دن آئے گا اور یہ کنجی میرے اختیار میں ہو گی" اور عثمان نے جواب دیا تھا "شاید اس روز قریش کے تمام افراد ہلاک ہو چکے ہوں گے" اور حضورؐ نے فرمایا تھا "نہیں، وہ تو قریش کی سچی عزت کا دن ہو گا"

رحمت عالمؐ نے بطور لطیفہ عثمان بن طلحہ کو کنجی کی یاد دلائی تو وہ پکار اٹھے "بیشک آپؐ اللہ کے رسول ہیں" حضورؐ نے فرمایا "آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے"

اس مکالمت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد سے حضرت بلالؓ نے کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ اللہ اکبر کا یہ نعرہ گویا اسلامی انقلاب کی فتح و نصرت کا اعلان تھا۔ مگر اسی روز مکّہ کے چند سر پھرے اوباشوں نے مسلم سپاہ کے خلاف پیش دستی کرنے کی کوشش کی۔ تو حضورؐ نے بادلِ ناخواستہ ان کا قلع قمع کرنے کے لیے قوت استعمال کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لہذا وقتی طور پر کچھ دیر بند رہنے کے بعد دوسرے ہی دن حرم کی حرمت کو ہمیشہ کے لیے بحال کرنے کا اعلان فرمایا۔ اس وقت چار ملزمین کو موت کی سزا دی گئی۔

فتح کے دوسرے روز کوہِ صفا پر دوسرا خطاب عام فرمایا۔ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی۔ حرم کی حرمت کا ذکر فرمایا اس حرمت کو ہمیشہ کے لیے قایم کر دیا اور اس کے احکام واضح کر دیئے۔

صفوان بن امیّہ اسلامی تحریک کے کٹر مخالف تھے۔ بھاگ کر یمن جاتے ہوئے جب جدہ پہنچے تو عمرو بن وہب حضورؐ سے معافی کی منظوری لے کر جدہ سے واپس لائے واپس آکر دائرۂ اسلام میں شامل ہوا۔ عمرو بن ابوجہل بھی یمن بھاگ گئے تھے۔ ان کی زوجہ ام حکیم (ابوجہل کی بھتیجی) خود مسلمان ہوئیں اور حضورؐ سے اپنے شوہر کے لیے معافی کی منظوری لی اور خود جا کر لے آئیں۔ عکرمہ کو جب معلوم ہوا کہ ان جیسے مخالف کو بھی حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا تو تعجب ہوا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔

ہبّار بن الاسود وہ شخص تھا، جس نے دوسری مخالفانہ حرکات کے علاوہ حضرت زینبؓ کو ہجرت کے وقت اس قدر اذیت دی تھی کہ ان کا حمل ساقط ہو گیا، حضورؐ کی فراخدلی کو دیکھ کر پیش ہوا اور نہایت عاجزی سے اعتراف گناہ کیا اور رحمت عالمؐ کی خدمت میں سخت شرمندگی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "میں نے ہبّار کو معاف کر دیا"۔

جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے ہندہ بنت عتبہ، زوجہ ابوسفیان والدہ امیر معاویہ سب سے بڑی مجرمہ تھی۔ اس نے اور ذلیل حرکتوں کے علاوہ حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر کر کلیجہ نکالا اور چبایا۔ وہ چہرہ چھپانے کی غرض سے نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئی۔ دل سے نہیں بلکہ حالات سے مجبور ہو کر اسلام قبول کرنے آئی۔ لیکن اس موقع پر بھی شرافت سے بعید عجیب عجیب ٹیڑھی باتیں حضور انورؐ سے کہیں، مکالمہ یوں ہوا:۔

ہندہ : اے خدا کے رسولؐ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسولؐ خدا : خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

ہندہ : یہ اقرار تو آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا، مگر خیر ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

رسولؐ خدا : چوری نہ کرو۔

ہندہ : میں اپنے شوہر ابوسفیان کے مال سے دو چار درہم کبھی کبھار نکال لیتی ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ناجائز۔

رسولؐ خدا : اولادوں کو قتل نہ کرو۔

ہندہ : ہم نے تو بچپن میں ان کو پالا۔ بڑے ہوتے تو آپ ہی نے ان کو قتل کیا۔ اب آپؐ جانیں اور وہ۔

شاید دوسرا کوئی ایسے گستاخانہ انداز گفتگو کو گوارا نہ کرتا۔ ہندہ ہی نہیں بلکہ اور بھی کچھ مجرمہ عورتوں کو جو سزائے موت کے قابل تھیں۔ حضورؐ نے سب کو عفو عام سے نوازا۔

تاہم ہندہ قدرے متاثر ہوئی اور حضورؐ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! اسلام لانے سے پہلے آپؐ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپؐ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی۔ اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے بعد آپؐ نے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

فتح مکہ کی مسرت کے علاوہ فتح عظیم وہ تھی جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفا کی بلندی پر تشریف فرما تھے اور لوگ جوق در جوق آکر دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان سے توحید اور رسالت کے اقرار کے ساتھ خصوصی رائج الوقت برائیوں سے اجتناب کا حلف بھی لیا جاتا تھا۔ مثلاً:

میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات، اس کی صفات اور عبادات و استعانت کے استحقاق میں شریک نہ کرونگا۔

چوری نہ کروں گا، بدکاری اور خونِ ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو ہلاک نہ کرونگا۔ کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

معروف کے دائرے میں حسبِ استطاعت خدا کے رسولؐ کی اطاعت کرونگا

تقریباً پندرہ روز قیام رکھنے کے بعد جب مکہ سے روانہ ہوئے تو اصل تعمیری کام کے لیے حضورؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو مامور کیا کہ وہ لوگوں کو اسلامی نظام حیات اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق، اسلامی قوانین اور اسلامی ثقافت کی تعلیم دیں۔ اسلامی عدلیہ کا نظام آپکے اپنے ہاتھوں حد جاری کرنے اس مشہور واقعہ سے ہوا جس میں فاطمہ بنت ابی الاسد کو چوری کے جرم میں سفارشی دباؤ کو مسترد کر کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی حنین اور طائف سے فارغ ہو کر مکہ تشریف لائے تو حضورؐ نے عتاب بن اسید کو نائب حاکم مقرر فرمایا۔ اور ایک درہم روزانہ معاوضہ ان کے لیے طے ہوا۔

جاتے جاتے حضورؐ نے انصار کو جمع کیا اور شامیانے کے نیچے انصار کی طرف مخاطب

Marfat.com

ہو کر دل ہلانے والی مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس کا آخری جملہ یہ تھا! "اے انصار! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور آپ محمدؐ کو ساتھ لے جاؤ؟"

یہ سن کر انصار کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر داڑھیوں کو تر کر رہے تھے آخری بات سن کر وہ بیک آواز چیخ اٹھے۔ "ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں" پھر حضورؐ نے بڑی نرمی سے وہ مصلحت سمجھائی جس کے تحت دلجوئی ضروری تھی۔ اس طرح انصاروں کے دلوں سے غلط فہمی کا غبار دھل گیا کہ حضورؐ کو قریش عزیز ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

غزوۂ حنین

حنین مکّہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے جہاں قبائل ہوازن اور ثقیف آباد تھے یہ قبائل ماہر تیر انداز تھے۔ فتح مکّہ سے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپؐ ہم پر حملہ نہ کریں۔ باہم مشورے سے طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپؐ ہم پر حملہ کریں ہمیں چاہیئے کہ آپ پر حملہ کریں۔ چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کی جمیعت لے کر آپ پر حملہ کرنے کے لیے چلا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قبائل کی اس کارروائی کا پتہ لگ گیا تو عبداللہ بن ابی حدرد سلمی کو تحقیق و تفتیش کے لیے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان کے اندر رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور آکر مفصل حالات کی اطلاع حضورؐ کو دی۔ تب حضورؐ نے بھی سامان تیار کرنا شروع کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا۔ ان میں سے دس ہزار جاں نثار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے آپؐ کے ہمراہ آئے تھے اور بعض غیر مسلم۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر جرار حنین کی طرف بڑھا تو ایک شخص کی زبان سے یہ الفاظ

Marfat.com

نکلے" آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے"

اس خود پسندی کے اظہار سے یہ بات سامنے آرہی تھی کہ محض کثرت ہی سے نصرت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ فتح یا شکست صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ الفاظ رسالت مآبؐ کے تیار کردہ آدمیوں کے شایان شان نہیں تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ نومسلم کے دلوں میں اسلام ابھی راسخ نہ ہوا تھا اور یہ ان کی صحبت کا اثر تھا۔

بہر حال لشکر اسلام سہ شنبہ کی شام کے وقت حنین کی وادی میں وارد ہوا۔ قبائل ہوازن اور ثقیف دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ لشکر اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ان پر حملہ بول دو۔ صبح کی تاریکی میں اسلامی لشکر اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے فوراً حملہ ہوا۔ مسلمانوں کا لشکر منتشر ہوا اور صرف دس بارہ شیدایانِ رسولؐ آپؐ کے پہلو میں رہ گئے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ ابوبکر، عمر، علی، عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

اس اچانک ہزیمت سے نومسلم آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہؓ کے والد) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت بدل نہیں سکتی۔ کلدۃ بن حنبل نے چلا کر کہا کہ "آج سحر کا خاتمہ ہوا"

صفوان بن امیہ اس وقت مشرک تھے۔ اس نے کہا "خاموش، اللہ تیرے منہ کو بند کرے۔ میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا والی اور مربی ہو۔ اس سے کہ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے" شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا کہ "آج میں محمدؐ سے اپنا بدلہ لوں گا جو جنگ احد میں مارا گیا تھا مگر جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہوگئی اور آپؐ تک نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طاری شدہ غشی کو سمجھ گیا اور مشرف باسلام ہوتے۔

جب مسلمانوں پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہوئی تو حضورؐ نے تین بار پکار

Marfat.com

کے فرمایا "اے لوگو! ادھر آؤ میں اللہ کا رسولؐ اور محمدؐ بن عبداللہ ہوں۔ میں سچا نبی ہوں۔ اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت اور حمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ اس میں کذب کا امکان نہیں" اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔

حضرت عباسؓ بلند آواز تھے۔ ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دیں۔ انھوں نے باآواز بلند یہ نعرہ لگایا "اے گروہ انصار، اے وہ لوگو! جنھوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی!" آواز کا کانوں تک پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے۔ پروانہ وار آکر شمع نبوت کے گرد جمع ہوئے۔ آپؐ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا اور ساتھ ہی ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا "شاہت الوجوہ" برے ہوئے یہ چہرے۔

اس عمل کے فوراً بعد ہی دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لیے گئے۔ دشمن کے ستّر آدمی کام آئے۔ مالک بن عوف نصری نے بھاگ کر طائف میں دم لیا۔

اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ

غزوۂ تبوک

ملک کی داخلی وحدت اور تکمیلِ انقلاب کے بعد حضور انور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے حکمرانوں کو دعوتی پیغامات بھیجے۔ مختلف سلطنتوں میں اپنے سفیر روانہ فرمائے۔ حارث بن عمیر ازدی کو بصریٰ بھیجا۔ انھیں ہرقل کے نائب حاکم شرجیل بن عمرو نے راستے میں قتل کر دیا۔ اس قتل کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔ ۸ھ میں حضورؐ انور نے تین ہزار سپاہیوں کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کی کمان میں شام کی طرف روانہ فرمایا۔ ایک بڑی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ شہید ہوئے اور علم حضرت جعفرؓ نے سنبھالا، بے جگری

سے لڑے تو شہید ہوئے تو خالد بن ولید دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹنے کے بعد اپنے لشکر کو بچا کر لائے ۔ کل بارہ سپاہی شہید ہوئے ۔ اس لڑائی میں حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور سیف اللہ کا خطاب پایا۔

اس لڑائی کے بعد رجب ۹ھ میں شام سے آنے والے ایک قافلہ نے اطلاع دی کہ قیصر کی فوجیں مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع ہو رہی ہیں ۔ اس وقت قیصر کی بڑی سلطنت آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی تھی اور بڑی طاقتور تھی ۔ آنحضورؐ سے یہ گوارا نہیں ہوسکتا تھا کہ کمائی ہوئی اخلاقی اور ایمانی روشنی کو غارت ہونے دیں ۔ اس لیے مسلم غازیوں کو بھی تیاری کا حکم فرمایا۔

یہ سخت گرمیوں کا موسم تھا ۔ ملک میں قحط سالی کے آثار بھی تھے ۔ بہت سے منافق دل سے مسلمان نہ تھے ۔ وہ لڑائی سے جی چرانے لگے اور دوسروں کو بھی ورغلانے لگے کہ جنگ میں شریک نہ ہوں ۔ مگر پرجوش مسلمانوں کے لیے یہ ایمان کی تازگی کے لیے ایک نیا موقع ہاتھ آیا کہ اب عرب کے چند قبیلوں کا مقابلہ نہیں بلکہ دنیا کی ایک بہت بڑی سلطنت کا سامنا ہے ۔ اپنے عقیدے اور حق کی حفاظت کے لیے آنحضور صلعم کی اپیل پر صحابہ حضرات ایک دوسرے سے سبقت لینے لگے ۔ حضرت عثمان غنی رضؓ نے سو اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چالیس ہزار درہم حاضر کیے ۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مال کا بیشتر حصہ لا کے ڈھیر کر دیا ۔ اور جذبۂ انفاق کی اس دوڑ میں سبقت لے گئے ۔ ایک محنت کش انصار نے دن بھر پانی کھینچ کھینچ کر چار سیر چھوارے کمائے ۔ دو سیر عیال کے لیے رکھ دیئے اور دو سیر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیئے ۔ حضورؐ نے مسرت سے فرمایا کہ ان چھواروں کو قیمتی اموال کے سارے ڈھیر پر بکھیر دو ۔ خواتین نے جہاد کے فنڈ میں اپنے زیورات پیش کیے ۔

تیس ہزار فوج دس ہزار گھوڑوں کے ساتھ روانہ ہوئی ۔ جب تبوک پہنچے تو معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملے کی خبر غلط تھی مگر اتنا صحیح تھا کہ اسلام کی نئی قوت کے مقابلے کے لیے غسانی رئیس دوڑ دھوپ کر رہے تھے ۔

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا۔ اس قیام کا اثر یہ ہوا کہ تیس ہزار مسلمانوں کی یہ جماعت جو ظاہر میں سپاہی اور حقیقت میں عاشق الٰہی اور عاشق نبویؐ تھی۔ لہذا آس پاس کے شہروں میں اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔

اسلام کے اگلے پیغمبروں کی امتوں کے ساتھ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر تھوڑا محصول (جذیہ) دے کر مسلمانوں کی رعایا بن جائیں تو مسلمان ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھالیں۔ اس رعایت کے تحت ایلہ، خلیج عقبہ کے پاس ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے رئیس نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا قبول کیا۔ اس قسم کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جربا اور اذرح کے لوگ آئے، جذیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو زا انداز چار سو سپاہیوں کا دستہ لے کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس کا بھائی مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہو کر پیش ہوا جذیہ لینے پر مصالحت ہوئی۔ وہ حضورؐ کی اجازت سے دومۃ الجندل، تبوک، ایلہ اور تیما، پر حکومت مدینہ کی طرف سے حاکم مقرر ہوا اور تحریر لکھ دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بخیر و عافیت واپسی پر مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی اور زور و شور کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر پُرتپاک استقبال کیا۔ لڑکیوں نے خیر مقدم کا گیت گایا جس کا مفہوم تھا " ہم پر چاند نکلا وداع کی گھاٹیوں سے خدا کا شکر اس وقت تک ہم پر فرض ہے جب تک دنیا میں خدا کا کوئی پکارنے والا موجود ہے"۔

منافق پشیمان ہو کر اپنی بدقسمتی پر روتے رہے، مگر رحمتِ عالمؐ نے ان سب کے جھوٹے عذر درگذر فرمائے۔

سفر تبوک میں عبداللہ ذوالبجادین کی وفات ہوئی۔ یہ نوجوان آنحضورؐ کو بہت پیارا تھا۔ یہ بڑے انقلابی جذبے کے ساتھ مسلمان ہوا تھا۔ نو عمری ہی میں اسلام کی دعوت قبول کی مگر چچا کے ڈر سے اپنے صالح جذبات کو دبائے رکھا۔ جب حضورؐ فتح مکہ سے واپس آئے اس نے اپنے چچا سے کہا۔ "پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے ہو گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ مگر آپ کا حال جوں کا توں ہے۔

اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسلام کے حلقہ میں داخل ہوں۔ مگر سنگدل چچا نے اسے جائداد سے محروم کر دیا۔ کپڑے اتار کر برہنہ کرنے کی دھمکی دی۔

اسلامی جذبے اور عشق رسولؐ سے سرشار ہو کر نوجوان عبداللہ نے تنگ کر جواب دیا۔ "چچا! آپ جیسا بھی کریں، میں تو اب بت پرستی سے بیزار ہو چکا ہوں۔ اب میں کسی صورت میں اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔" عبداللہ کپڑے اتار کر ماں کے پاس گیا۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ پھاڑ کر آدھے کا تہبند بنایا اور آدھا اوپر لیا۔ اسی حال میں مدینہ پہنچا۔ شوق جہاد میں حضورؐ کے ساتھ تبوک روانہ ہوا۔ وہاں بخار ہونے سے خدا کا پیارا ہوا۔ رات کے اندھیرے میں تدفین ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے۔ حضرت بلالؓ چراغ اٹھائے تھے۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ساتھ تھے۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اینٹیں رکھیں اور دعا کی "یا اللہ! آج شام تک میں راضی رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی رہ۔" واہ! کیا شاندار تدفین تھی! ابن مسعودؓ نے حسرت سے فرمایا۔ "کاش! اس قبر میں مَیں دبایا جاتا۔"

ساری دنیا اسلام کے محیط میں کیوں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اقدامات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام کی طرف سے تمام معرکے مدافعانہ ہی تھے۔ پہلے تین معرکوں میں دشمن نے چڑھائی کر کے مدینہ پر دھاوا بولا۔ صرف دو کارروائیوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کی۔ ایک فتح مکہ دوسری فتح خیبر کے لیے۔ سارے معرکوں میں پندرہ ہزار سے زیادہ افراد حضورؐ کا مقابلہ کرنے نہ آئے ہوں گے۔ ان میں ۷۵۹ جانیں ختم کر دی گئیں۔ مگر عرب کی کئی لاکھ آبادی سدھر گئی اور یہ امر ایک معجزہ سے کم نہیں ہے کہ انتہائی وحشی اور جنگجو لوگوں کو عظیم سچائیوں اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی گئی۔ سوئی ہوئی عقلوں کو چونکایا۔ دماغوں کو بیدار کیا۔ نظام کائنات میں سوچنے کی ترغیب دلائی۔ فکروں میں انقلاب

لایا گیا۔ خدائے واحد کو خالق، رازق اور ہادی کی حیثیت سے پیش کیا اور زورِ استدلال سے مثبت سچائیاں منوائیں۔ کائنات کا مشاہدہ کراتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ ہر دائرہ وجود میں ایک نظم کی کارفرمائی ہے۔ گوناگوں اضداد باہم دگر تعاون کر رہے ہیں۔ کثرت وحدت کے رشتے میں اپنا ظہور دکھاتی ہے۔ ایسا یونہی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ایک بالاتر فعال ہستی اس کائنات کا ناظم مطلق ہے۔ اور واحد وہی ہستی معبود ہو سکتی ہے۔ تمام حیوانات اور نباتات جس کی تسبیح اور تمجید میں مگن رہتے ہیں۔ وہی اجرام فلکی کے مدار اور ان کی رفتار طے کرتا ہے۔ اور وہی معبود ہر مخلوق کے لیے راہ عمل معین کرتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ راہِ راست پر چلے تو جنّت ملے گی۔ کج روی اختیار کرے تو جہنم کا دروازہ کھلا ہے۔

یہ دلائل اکھڑ دشمنوں کی آنکھوں کو اشک آلود کر گئیں۔ قرآن کریم کی روح پرور آیات نے دلوں میں حیاتِ نو کی رَو دوڑائی۔ شعور کے نور کے ساتھ جذبات میں گرمی آگئی۔ سنگدل دشمنانِ حق کو موم بنا کر حق کا خادم بنایا۔

ان تاثرات کو سامنے لا کر اہلِ کتاب کے لیے قرآن کی چند آیات:

"اے اہل کتاب! رسولوں کے سلسلۂ بعثت میں لمبے وقفے کے بعد ہمارا رسول تمھارے پاس آچکا۔ جو حقائق کو تمھارے سامنے نتھار کر لا رہا ہے۔ (ممکن ہے) کہیں تم کہو کہ ہم تک کوئی بشارت والا اور متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔ سو اب متنبہ اور بشارت دینے والا آچکا ہے۔" (المائدۃ - ۱۹)

"کہو کہ اے اہل کتاب! اس سیدھے سیدھے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی شے کو اس کے ساتھ شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم لوگ اللہ کو چھوڑ کر باہم دگر ایک دوسرے کو رب مانیں۔" (آل عمران - ۶۴)

اس طرح قرآن کی باران کلام کی پھواریں متواتر پڑتی رہیں اور صاحب نبوت کے خطبوں، تقریروں اور مکالموں میں نور کی بارش ہوتی رہیں۔ روزمرہ واقعات سے

ہم آہنگ اور کشمکش کے ماحول سے مربوط ہوکر شیریں کلام کے اثرات نمودار ہوتے تو حق نے باطل کو توڑ کر تاریکیوں کو نور میں بدل دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کی الہامی زبان میں تنقیدیں کرکے وقت کے اکابر کو عقل اور دلیل کے لحاظ سے دیوالیہ ثابت کر دیا اور اخلاق و کردار کی نفاست سے منفی نقادوں کی غلاظت کو دھو ڈالا۔ نفسیاتی تجزیہ کرکے منافقوں کو دکھا دیا کہ اُن کے تبصرے غلط بیانی پر مبنی ہیں۔ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور۔ دوسروں کے لیے رسول پاک کا وجود مرکزِ محبت و شفقت بنا ہوا ہے اور تم اپنے آپ کو دُور دُور رکھنا پسند کرتے ہو۔

یاد رہے کہ دعوت حق خالص سحر بیانی اور وعظ و نصیحت سے وسعت نہیں پاتی بلکہ آنحضورؐ کی فعال شخصیت، آپ کا احسن کردار، صداقت و امانت، عفو و کرم، طبیعت سلیم اور حلم و عجز کی کثرت نے اس کشتی کو دور دور تک ساحل مراد سے ہمکنار کر دیا۔

سب لوگ ہر صبح و شام دیکھتے تھے کہ اسلام کی سچائی پر مبنی کلمۂ حق اچھے اچھے افراد کو اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔ وہی لوگ جو آنحضورؐ کے خلاف زور دار حملے کیا کرتے تھے، اچانک دائرۂ اسلام میں آکر سرافگندہ ہو جاتے ہیں۔ اس دائرے میں داخل ہوتے ہی ان کے کردار کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ ان کی عادات اور ان کے ذوق میں انقلاب آجاتا ہے اور ان میں ایک نئی طاقت ابھر آتی ہے۔ یہ لوگ خدا کے پرستار، رسولؐ کے دلوانے، قیام اور رکوع و سجود میں قرار پانے والے، تلاوتِ قرآن کے متوالے، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنے والے، دوسروں کے لیے مقناطیس بنے۔ سب کچھ اپنے نصب العین پر قربان کر دیا۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ اس کردار کے مربّی نے مکّہ کے مقتل سے روانہ ہوتے ہوتے اپنے قاتلوں کی امانتوں کی واپسی کا اہتمام کیا۔

اسلامی تحریک کی یہ اخلاقی قوت ہی اس کی دلیل کو موثر اور نتیجہ خیز بنانے والی تھی۔

اور یہ مسلم کردار کی بڑائی" کا اعتراف تھا۔ جس نے لاکھوں کو متحیر کیا اور اسلام کی مقناطیسی قوت ہر چہار جانب سے بکھرے ہوئے ذرّات انسانیت کو اپنی طرف کھینچتی گئی۔ مشہور شاعر طفیل دوسی کو قریش نے حضورؐ سے ملنے نہ دیا تو وہ حاضر ہوا۔ قرآن شریف کی کچھ آیات سن کر محض ان کے اثر سے اسلام قبول کیا۔ عمرو بن عسبہ اور ضماد بن ثعلبہ حضورؐ کی زبان مبارک سے خدا کی حمد کے بول سن کر ہی مفتوح ہو گئے۔ ایک ڈاکہ زن قبیلے کا ایک نوجوان ابوذرؓ اسلام کا چرچا سن کر آیا اور مخالف ماحول سے بچ کر حضورؐ تک پہنچا۔ دعوت سنی اور تحریک حق سے متاثر ہوا تو حرم میں داخل ہو کر کلمۂ حق کا اعلان کیا۔ ایسی ہی بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر ہم مشتے از خروارے چند ایک پیش کرتے ہیں۔

۱ : ثمامہ بن اثال حنفی رئیس یمامہ قید ہو کر آیا اور حضورؐ کے طرز عمل سے متاثر ہو کر فوراً حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔

۲ : غزوۂ احد کے دوران عمرو بن ثابت امیرم نے عین اسی وقت حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور سیدھے معرکۂ کارزار میں شریک ہوا اور ساتھ ہی جام شہادت نوش کیا۔

۳ : معرکۂ خندق کے مشکل حالات میں نعیم بن مسعود نے اسلام قبول کیا۔

۴ : ابوالعاص مدینہ آئے اور آتے ہی اسلام لانے کا اعلان کیا۔

۵ : ایک یہود چرواہے کو معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خیبر میں جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وجوہ معلوم کر کے موم ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ اور عمرو بن العاص جیسی ممتاز شخصیتیں قریش سے ٹوٹ کر اسلامی ریاست میں شامل ہوئیں اور اپنے جوہر دکھائے۔

۶ : فضالہ فتح مکہ پر اور شیبہ بن ابوطلحہ معرکہ حنین کے موقع پر قتل کے ارادے سے آئے مگر اسلام کے سپاہی بنے۔

۷ : کعب بن زبیر جس نے حضورؐ کے خلاف شاعری کا محاذ کھول رکھا تھا۔ مدینہ آکر

Marfat.com

تائب ہوا اور صدق دل سے اسلام کے دائرے میں آگیا۔

بہر حال اسلام تیز رفتاری کے ساتھ پھیلتا گیا اور ایک مرکز کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہذا جہاں اسلام پہنچا وہاں مسجد کی بنیاد ڈالی گئی۔

مسجد صرف ایک عبادت ہی نہیں بلکہ اسلام کا تمدنی مرکز بھی ہے۔ جو بیک وقت درس گاہ" دارالمشورہ" سماجی اجتماع گاہ اور مہمان خانہ کا کام بھی دیتی ہے۔ تعمیر مسجد سے نظامِ نماز قائم کر کے اجتماعیت کا اصول حاصل ہوتا ہے۔ اور مساوات کے تصور کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

حلیفانہ معاہدات برائے استحکام ریاست

اسلامی ریاست کو وسعت دینے اور استحکام قائم رکھنے کے لیے حضورؐ نے حد درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔ کبھی بھی نظریۂ حق اپنے سیاسی اصولوں اور اپنے سیاسی مرتبے کو ذرا سا نقصان نہ پہنچنے دیا۔ انسانیت کی قیمتی قدروں اور کاموں کو آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش کی اور عبادت کی روسے آراستہ کیا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ کی قائدانہ صلاحیتوں سے دوست کیا دشمن بھی متاثر ہوتے گئے اور اس طرح معاہدانہ تعلقات کا سلسلہ جاری ہوا۔

بیعت عقبہ

معاہدانہ روابط میں سرفہرست بیعتِ عقبہ آتی ہے جو ایک پہلو سے مذہبی میثاق ہے اور دوسرے پہلو سے ایک سیاسی معاہدہ۔ پہلی بار مجلس میں آنحضورؐ کے ہاتھ پر انصاری نوجوانوں نے قبول ریاست کی بیعت کی۔ اور دوسری بار آپ کی سیاسی قیادت کا عہد بھی شامل کیا۔ دونوں بیعتوں کا انعقاد منیٰ سے کوئی ایک فرلانگ دور

محفوظ جگہ پر راتوں رات سکوت کی فضا میں واقع ہوتیں۔ انصار الہامی دین کا ذوق رکھتے تھے اور یہود کی موجودگی میں آخری نبی موعود کی پیشن گوئیاں سن چکے تھے اور یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ جب وہ آئیں گے تو ہم ان کے ساتھ ہو کر تم لوگوں کو مغلوب کریں گے۔ اس چیلنج کو مدنظر رکھ کر انصار نبی موعود کے انتظار میں رہے کہ کب آئیں تاکہ ہم پہل کریں ان کو کسی تیسری طاقت کی ضرورت تھی۔ اس وجہ سے حضور انور کی دعوت سنتے ہی براہ راست تعارف کی کوشش کی۔ موقع پاتے ہی نور مجسم کی وجاہت اور بے نظیر شخصیت کا اثر حضور کے کلمات دعوت میں پایا اور اس نئی قوت سے رابطہ جوڑ لیا۔ حالانکہ قریش نے روڑے اٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

پہلی بیعت میں آنحضور نے چند اعتقادی اور اخلاقی امور کا عہد لیا مثلاً خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانیں گے۔ چوری نہیں کریں گے، اولادوں کو قتل نہیں کرینگے، کسی کے خلاف بہتان تراشی نہیں کریں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

دوسری بار انصار نے ان امور کا اضافہ کیا "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر حال میں سمع وطاعت سے کام لیں گے۔ چاہے مشکلات ہوں یا آسانیاں۔ ہمارے دلوں کو کوئی حکم پسند ہو یا نہ ہو۔ اور کوئی بات ہماری آراء کے خلاف ہو رہی ہو ہم اہل قیادت سے کشمکش نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اس کے بعد حضور کے ارشاد سے انصار کی اسلامی جماعت کی طرف سے بارہ نمائندہ نقیب نامزد کیے گئے جو حضور کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ ان نقیبوں کو دعوت اسلامی کو پھیلانے کا کام تفویض ہونے کے علاوہ سیاسی ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔

دوسرے قبائل کے ساتھ معاہدات

مدینہ کو ایک مضبوط سیاسی مرکز بنانے اور اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالنے

Marfat.com

کی کوشش کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے قبائل کو ساتھ ملانے کا ارادہ فرمایا۔ ہجرت کے بارہویں مہینے میں آنحضورؐ نے ودّان کا رُخ کیا۔ یہ ایک قصبہ بجانب مکہ آباد تھا۔ یہاں ورود فرما کر آپ نے قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف سے حلیفانہ معاہدہ استوار فرمایا۔

ربیع الاول ۲ھ میں حضورؐ پُر نور بواط کی طرف تشریف لے گئے۔ کچھ گفت و شنید کے بعد یہاں کی آبادی کے ساتھ معاہدہ قائم ہو گا۔ جمادی الثانی ۲ھ میں بمقام ذوالعشیرہ تشریف لے گیے۔ وہاں بنو مدلج اور ان کے حلیف قبیلہ بنو حمزہ سے معاہدانہ روابط پر مزید گفت و شنید جاری رہی بعد میں مکمل حلیفانہ معاہدہ پر منتج ہوئی۔

ان معاہدات سے یہ قبیلے اور علاقے درحقیقت ریاست مدینہ کے اجزا بن گئے۔ تعلقات آگے بڑھتے رہے۔ دعوت کا کام جاری رہا۔ جس کا نتیجہ یہ رہا کہ قبائل بحیثیت مجموعی اسلامی تحریک کے علمبردار بن گئے۔ حضورؐ کے دورِ آخر میں ایک نیا پروانہ ان بنی جرمز، بنی الحرقہ اور عمرو بن معبد جہنی کے نام جاری ہوا جس میں وہ ساری شرائط درج تھیں جو مسلم قبائل پر عاید ہوتی تھیں۔ یعنی نماز و زکوٰۃ کی پابندی اور دیگر ارکانِ خمس کی ادائیگی، مخالفین اسلام سے قطع تعلقات اور سود ترک کرانے کے لیے لازم قرار دیا گیا۔ مدینہ میں قبیلہ جہینہ کے نام کی مسجد تعمیر ہوئی چونکہ اس قبیلہ کے لوگوں کی کافی تعداد دائرۂ اسلام میں شامل ہو گئی تھی۔

بنو غفار کا قبیلہ اپنے مثالی نوجوان ابوذر سے متاثر ہوا اور بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا۔ جنگ بدر کے قریبی زمانے میں اس قبیلہ کے لوگوں نے حضورؐ سے معاہدہ کیا۔

قبیلہ غطفان کی ایک شاخ بنو اشجع تھی۔ یہ تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ شاہراہ کی ناکہ بندی سے جب قریش کا سلسلۂ تجارت رک گیا تو ان کے معاش پر اس کا بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ وہ کاروانوں کی خدمت کر کے کمائی کر لیتے تھے۔ لہذا

Marfat.com

ان کا وفد مدینہ پہنچا اور معرکہ خندق سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کر کے معاہدہ استوار کیا۔ ان کی طرف سے معاہدہ پر دستخط نعیم بن مسعود نے کیے۔ نعیم بن مسعود عین غزوۂ خندق کے دوران اسلام کے دائرے میں آئے۔ حالانکہ بوقتِ معاہدہ سارے قبیلے نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ تاہم خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے۔

قبیلہ خزاعہ یمن کی بہت سی شاخیں مکّہ کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھیں۔ اس قبیلہ کی اکثر شاخیں مسلمانوں سے اچھے روابط رکھتی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب عبدالمطلب نے ان کے ساتھ مستقل دوستانہ رکھا تھا۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر کھلم کھلا قریش کو چھوڑ کر مدینہ کی اسلامی حکومت سے حلیفی قائم کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قبیلے نے جنگِ احزاب کے لیے حضورؐ کو قریش کی اطلاع دی تھی۔ اور حضورؐ نے بھی ان کو فتح مکّہ سے پہلے ان کو ایک خط میں اطمینان دلایا تھا کہ ان کو کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ بنو کلاب اور بنو ہوازن نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن وقت آنے سے پہلے ہی یہ بنو بکر کے نشانہ بنے اور یہی امر فتح مکّہ کا محرک بنا۔

حقیقت یہ ہے کہ تصادم سے بچ کر حلیفانہ تعلقات پیدا کرنا حکومتِ مدینہ کی سرگرمیوں کا اہم ترین شعبہ تھا۔ اور حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء نے بہت ساری مہمات اسی شعبۂ کار کے لیے اٹھائیں۔ یہ سرگرمیاں اسلامی ریاست کی امن پسندانہ نقطۂ نظر کا بڑا روشن ثبوت ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پالیسی میں یہاں تک وسعت رکھی کہ اسلام نہ لانے والے قبائل کی طرف محض سیاسی حلیفی کو بھی قبول فرمایا۔ بعض اوقات غیر مسلم سرداروں کو مامور یا بحال فرمایا اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی سچائی کو ثابت کر دکھایا۔

متذکرہ بالا روابط سے جہاں کہیں حلیفی کا تعلق قائم ہو گیا وہاں اسلام کا علم لہرانے لگا۔ کیونکہ اسلامی نظریات کی کشش اور دین و سیاست کی وحدت نے اپنا معجزہ دکھایا اور دس لاکھ مربع میل علاقے کو چند برس میں اسلام کی خوش گوار

مہک نے معطر کر دیا۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ؕ

ایک دور وہ تھا جب اسلامی تحریک کے ارکان لوگوں کے قریب جا جا کر اُن کو دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح مبین کی بشارت کے بعد وہ دور آیا جب لوگ جوق در جوق آنے لگے اور درِ اسلام پر دستک دینے لگے۔ سچ ہے کہ ؎

ہر کجا بود چشمہ شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

یہ لوگ اسلامی طاقت ہی سے مرعوب نہ تھے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے فعال رفقاء نے صالح کردار، معتدل زندگی، تیز رو ترقی، مستحکم تعمیر، نظم و نسق اور امن و انصاف کا مظاہرہ کر کے ثابت کر دکھایا کہ اسلام کا بنایا ہوا انسان بہترین نمونۂ انسانیت ہے۔ مخالف قوتوں کو اپنی کمزوریوں، ناکامیوں اور منفی کردار کا پورا احساس تھا۔ ان کا دماغ اچھی طرح سے متاثر ہوا اور حق کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنی اکڑ کو قدرے کم کر کے مرکزِ امید، مدینہ کا رُخ کیا۔ یہ خوش آیند دور تین سال ۸، ۹، ۱۰ھ پر پھیلا ہوا ہے اور یہ دور عام الوفود کے دور سے موسوم ہے۔

۱۔ وفد قبیلہ مزینہ :۔

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ مشہور صحابی نعمانؓ بن مقرن اسی قبیلے سے تھے۔ یہ وفد چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ مدینہ سے واپسی پر ان کو زادِ راہ کے طور پر کھجوریں دی گئیں۔

۲۔ وفد قبیلہ بنو تمیم:

اس وفد میں قبیلہ کے بڑے بڑے رؤسا شریک تھے۔ وفد کے افراد جب مسجد میں داخل ہوئے تو بدتمیزی کے ساتھ قریب آکر آواز دی۔ "محمدؐ! اے محمدؐ! باہر آو" دل تو اسلام قبول کر چکا تھا مگر عربی انا اور مفاخرت مزاجوں میں موجود تھی، انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپس میں فصاحت کے ساتھ مباحثہ ہو۔ حضورؐ نے مصلحت دیکھ کر دعوت کو قبول فرمایا۔ قبیلہ کے نامور خطیب عطارد بن حاجب نے اپنے قبیلہ کی سیادت اور جاہ و حشمت کو اپنی تقریر میں پیش کیا اور کہا کہ "ہماری برابری اور ہمسری کا دعویٰ جسے ہو، وہ اپنے اوصاف سامنے لائے۔"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے اسلامی تحریک کی طرف سے ثابتؓ بن قیس خطیب مقرر ہوئے۔ وہ جوابی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور ایک پرزور خطبہ میں ہلکے سے رنگ مفاخرت کے پردے میں دعوت کا پہلو نمایاں اور اسی کو اسلامی معاشرت کا سرمایۂ افتخار قرار دیا۔ شاعری کے مقابلے پر مشہور شاعر حضرت حسانؓ نے جواب دیا۔ وفد نے اعتراف کیا کہ ہمارے خطیب اور شاعر سے رسولِ خداؐ کے خطیب اور شاعر برتر ہیں۔ اس اعتراف کے بعد تمام افرادِ وفد نے اسلام کے سایۂ رحمت میں پناہ لی۔

۳۔ وفد بن عبد القیس:

بارہ آدمیوں کا ایک وفد مدینہ آیا۔ حضورؐ کے پوچھنے پر جب انھوں نے کہا کہ ہم خاندان ربیعہ کے افراد ہیں تو حضور پرنور نے ان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ ان کی درخواست کے مطابق نبی اکرمؐ نے توحید، روزہ اور دیگر ادائے خمس کی تلقین فرمائی اور شراب سازی ممنوع قرار فرمائی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کی جاہل ثقافت کے بارے میں کچھ باتیں بتادیں تو معلومات سن کر وہ بالکل حیران ہوئے۔ اس وفد میں ایک عیسائی بھی تھا۔ اس نے تبدیل مذہب کی کسی گرفت کی ضمانت مانگی ضمانت حاصل کر کے ایک دم مسلمان ہوگیا اور اس کے ہم مذہب ساتھیوں نے بھی اسلام

Marfat.com

قبول کیا۔

۴ ۔ نمایندہ بن سعد بن بکر :۔

قبیلہ نے ضمام بن ثعلبہ کو نمایندہ بناکر مدینہ بھیجا۔ یہ شتر سوار عجب سادہ بدویانہ انداز سے مسجد نبویؐ میں آیا۔ اور اصحاب رسولؐ سے پوچھا "تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند کون ہے؟" اصحاب نے حضورؐ کی طرف اشارہ کیا "وہ گورے چہرے والے ہیں رسولؐ خدا۔" پاس جاکر کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے! کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا۔ ناراض نہ ہونا۔" رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اجازت بخشی۔ ضمام بن ثعلبہ نے قسم دلاکر اسلام کے ارکان خمسہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ ایسا کہتے ہیں۔ حضورؐ نے تصدیق فرمائی۔ سارے جواب سن کر کہا "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے اور جو کچھ تم نے بتایا ہے اس میں ذرّہ بھر کمی بیشی نہ کروں گا۔" اور رخصت لیے بغیر ہی اونٹ پر سوار ہوا۔ واپس جاکر اس نے طوفانی انداز سے لوگوں کے سامنے کہا کہ میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ لات اور عزّیٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ لوگوں نے ڈرایا دھمکایا مگر ضمام نے تنک کر کہا "خدا کی قسم! یہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔" شام ہونے سے پہلے پہلے سارا قبیلہ اسلام کے سایہ میں آگیا۔

۵ ۔ وفد اشعرین (یمن) :۔

یہ قبیلہ یمن کا معزز قبیلہ تھا۔ اور ابو موسیٰ اشعری وفد کا ایک فرد تھا۔ ان تک دعوتِ حق مکّی دور میں طفیل دوسی اور مہاجرین حبشہ کے واسطے سے پہنچ چلی تھی۔ متاثرین میں سے تین اشخاص ہجرت کے ارادے سے مدینہ چلے کہ حضورؐ سے فیضان حاصل کریں؟ بحری سفر تھا۔ راستے میں باد مخالف چلی اور جہاز حبش کے ساحل سے جا لگا۔ وہاں یہ لوگ ہجرت اولیٰ کی سعادت پانے والی جماعت سے جا ملے۔ کچھ زمانہ وہاں رہ کر جعفر طیار کی رفاقت میں چند نومسلم حبشیوں کو بھی ساتھ لے کر مدینہ کو روانہ ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر (۷ھ) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور منزل مقصود نظر آئی تو گاتے گاتے اپنی خوشی کا اظہار یوں کیا۔ "کل ہم اپنے رفیقوں سے جا ملیں گے۔ یعنی حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء سے جاملیں گے۔"

حضورؐ کو اطلاع ملی تو احباب سے مخاطب ہوئے "تمہارے ہاں یمن سے کچھ لوگ آتے ہیں۔ یہ لوگ بہت نرم اور رحم دل ہوتے ہیں" اور فرمایا "ایمان ہے تو یمن کا، حکمت ہے تو یمن کی" ملاقات ہوئی۔ باتیں ہوئیں۔ سوال کیے، جواب ملے اور مدینہ میں ایک نیا رنگ چھاگیا۔ (از محسنِ انسانیت)

۶۔ وفد دوس (یمن) :۔

طفیل دوسی پہلے ہی اسلام لائے تھے۔ والدین اور بیوی نے بھی ساتھ دیا تھا مگر یہ قبیلہ اخلاقی برائیوں میں گھرا ہوا تھا، بدکاری عام ہوگئی تھی۔ طفیل دوسی اپنی تند مزاجی کی بناء پر مشن کو آگے بڑھانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو حضورؐ اقدس سے آکر ملے اور قوم کی شکایت کر کے دعا کی تمنا کی۔ آپ نے ان کو نرم انداز میں دعوت اپنانے کی تلقین فرمائی اور دوسی کی اصلاح کے لیے خدا سے دعا مانگی۔ نصیحت پر عمل کرنے اور دعا کے اثر سے ۵ھ میں بہت سے گھر نورِ اسلام سے روشن ہوئے۔ ۸ھ میں اسّی خاندان ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ انہی مہاجرین میں حضرت ابو ہریرہؓ جیسی عظیم شخصیت بھی تھی۔

۷۔ وفد صداء :۔

اس قبیلہ میں سے پہلے پہل زیاد بن حارث صدائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے اثر سے ۸ھ میں پندرہ آدمیوں کا ایک وفد قبیلے کا نمائندہ بن کر حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کی اور تعاون کی پیش کش کی۔ وفد کے واپس جانے پر کام تیزی سے آگے بڑھا اور حجۃ الوداع پر اس قبیلے کے ایک سو آدمی مکہ پہنچے۔

فتح مکہ کے بعد تو گویا ایک عوامی سیلاب تھا جو اسلام میں شامل ہونے کے لیے اُمڈ پڑا۔

۸۔ وفد ثقیف (طائف) :۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے سفر کے بعد واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود

ثقفی حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور ساتھ ہی اپنے قبیلے میں دعوت پھیلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضورؐ نے ثقیف کے کبر و غرور کے پیش نظر احتیاط کا مشورہ دیا کہ کہیں وہ لوگ تمھیں قتل نہ کر دیں۔ اصرار کے بعد کام کرنے کی اجازت حاصل کی۔ واپس جا کر اپنے مکان کی چھت پر کھڑا ہوا اور اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ ہر طرف سے تیر برسے اور وہ ایک تیر کھا کر شہید ہوئے۔ بنو ثقیف کو اپنی اس حرکت پر نادم ہونا پڑا۔ اور حقیقت پسندانہ غور کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک بڑے اجتماع میں غور و فکر ہوا اور مثبت نتیجہ پر پہنچ کر عبد یالیل سردار طائف کی سرکردگی میں اپنا وفد بھیجا۔ ذرا غور کیجیے یہ وہی عبد یالیل تھے جس نے بارہ سال پہلے حضورؐ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تھا۔

تبوک سے رسول اکرمؐ کی واپسی پر یہ وفد مدینہ پہنچا۔ ان کے لیے مسجد کے نزدیک خیمہ نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن سعید العاص فریقین کے درمیان ذریعہ گفتگو بنے۔ ان لوگوں نے پہلے عجیب عجیب شرطیں پیش کیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ تین برس تک ان کا بُت (لات) منہدم نہ کیا جائے۔ دراصل وہ ابھی تک اسلام کی سچائیوں کو سمجھ نہیں پائے تھے اور ڈر رہے تھے کہ بت کے منہدم ہونے پر کسی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حضرت عمرؓ ان کی یہ باتیں سن رہے تھے۔ ان سے چپ نہ رہا گیا۔ عبد یالیل کو مخاطب ہو کر کہا "یہ کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ تمھارے یہ معبود پتھر ہیں" عبد یالیل نے جواب دیا "اے ابن خطاب! ہم تم سے بات کرنے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا معاملہ رسولؐ سے ہے"

بہر حال جب رسول پاکؐ نے یہ شرط کسی حال میں قبول نہ فرمائی تو وہ اس بات سے راضی ہوئے کہ بت ہم سے منہدم نہ کرایا جائے۔ حضورؐ نے ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو اس کام کے لیے نامزد فرمایا۔

دوسری شرط ان کی یہ تھی کہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس دین میں نماز نہیں اس دین میں بھلائی نہیں"

ایک رکن وفد کی یہ درخواست بھی تھی کہ ہمیں زنا کی اجازت دی جائے' کیونکہ اس کے

Marfat.com

بغیر ہمیں کوئی چارہ بھی نہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ سود اور شراب ہمارے لیے ممنوع نہ رکھا جائے ان کی سب شرطیں مسترد ہوئیں اور صرف دو شرطوں پر ڈھیل دے دی کہ فی الحال زکوٰۃ نہ دیں اور جہاد میں شامل نہ ہوں اس کے بعد وفد واپس آگیا۔

وفد میں ایک مخلص نوجوان عثمان بن ابی العاص کسی حد تک اسلامی تقاضوں سے واقف تھے۔ ان کو حضورؐ نے امیر جماعت مقرر فرمایا۔ جب یہ واپس پہنچے تو پہلے مخالفانہ انداز سے باتیں کیں اور لڑائی کی تیاری کی طرف اشارہ کیا۔ دو روز تک لڑائی کی باتیں ہوئیں اور بعد میں خود ہی کہنے لگے کہ "بھلا ہم محمدؐ سے کیا لڑیں گے جب کہ سارا عرب اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ جاؤ! جو کچھ وہ کہے، اسے قبول کرو" تعجب ہے ابھی جو لوگ لڑائی پر آمادہ تھے۔ اب وہی کہہ رہے ہیں کہ "ہم نے محمد کو تقویٰ وفا، رحم اور صدق میں بہت اونچا پایا ہے اور ہمارا سفر کامیاب اور بہت بابرکت رہا ہے"۔

بتوں کے انہدام کے وقت عورتیں رونے لگیں کہ مردوں نے بت دشمنوں کے حوالے کر دیئے۔ اب معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔

یہ طائف کے وہی لوگ تھے جو داعیٔ حق پر پتھر پھینک رہے تھے اور آج ان کی آنکھوں کے سامنے جاہلی نظام ختم ہو رہا تھا۔ آخر کار طائف اسلام کے دائرے میں آگیا اور سابقہ محاصرہ کے وقت حضورؐ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

۹ - وفد بنی حنیفہ :-

یہ لوگ علاقہ یمامہ سے تعلق رکھتے تھے، ثمامہ بن اثال کی دعوت سے مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ آکر نبی اکرمؐ سے ملے اور اسلامی دائرے میں آئے، اس وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی آیا تھا۔ اس نے کچھ بے تکی سی باتیں کیں اور سودا بازی سے کام لینے لگا۔ وہ بڑا لالچی تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اسلام سودا بازی اور نفع پسندی کا نام ہے۔ یہ کمبخت نبوت میں بھی شریک ہونا چاہتا تھا۔

وفد واپس چلا گیا اور مسیلمہ کذاب نے سچ مچ نقلی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کی نام نہاد شریعت میں نماز معاف تھی اور زنا اور شراب حلال، ہو سکتا ہے کچھ بے راہرو اوباشوں نے اس کا ساتھ دیا ہو۔ مگر جھوٹ کی عمارت قایم نہیں رہ سکتی۔

Marfat.com

۱۰۔ وفد قبیلہ بنی طے :۔

قبیلہ طے کے لوگ زید الخیل کی سرکردگی میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرمؐ نے اسلام کا کلمۂ حق پیش کیا اور الہامی نظامِ حیات کی دعوت دی۔ دل وجان سے دعوت قبول کی۔ حضورؐ نے زید الخیل کی بڑی تعریف کی اور بجائے زید الخیل کے زید الخیر نام رکھا۔

عدی بن حاتم بھی اسی قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ عیسائی تھے اور حضور انورؐ کے خلاف عناد کا ایک طوفان دل میں بھرا تھا۔ مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ جب اچانک اسلامی فوجیں یمن کے علاقے میں پہنچیں تو بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ پہنچیں تو رحمت عالمؐ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اپنے بھائی عدی کو مدینہ آکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تاکید کی۔ جب آئے تو دل میں سوچتے رہے کہ رسول اکرمؐ بادشاہ ہیں یا نبی۔ پہنچتے ہی مسجد میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اٹھے اور عدی کو اپنے گھر کی طرف لے چلے، راستے میں ایک بڑھیا نے نبی اکرمؐ سے بات کرنا چاہی تو حضورؐ نے کافی وقت اسے دیا۔ جب گھر تشریف لائے تو خود زمین پر بیٹھے اور عدی کو باصرار گدّے پر بٹھایا۔ ان دو باتوں سے عدی کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں اور محض دنیوی بادشاہ نہیں ہیں۔

دوران گفتگو حضورؐ نے بھانپ لیا کہ عدی کے ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں۔ اُن الجھنوں کو بڑے احسن طریقے سے صاف کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "شاید تمھیں اسلام میں داخل ہونے سے روکنے والی چیز مسلمانوں کی تنگدستی ہے۔ سو خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ دولت سے مالا مال ہوں گے۔ اور اگر مسلمانوں کی کم تعداد دائرۂ اسلام میں آنے میں حائل ہوتی ہے تو خدا کی قسم! مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی اور اس قدر امن ہو گا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر اکیلی عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائے گی اور کسی کی مجال نہیں

کہ اسے کوئی رکاوٹ ڈالے۔ اگر یہ خیال ہے کہ سلطنت دوسروں کے پاس ہے، سو خدا کی قسم! ایسا عنقریب ہوگا کہ تم خود سن لوگے کہ سرزمین بابل کے محل مسلمانوں نے فتح کیے۔"

یہ سب اشارات عدی کو موافق آتے۔ شبہات کا ازالہ ہوگیا تو انھوں نے اسلام کا سایہ قبول کرلیا۔

۱۱۔ وفد بنی الحارث بن کعب :-

یہ علاقہ نجران کے لوگ تھے۔ ان اطراف میں حضرت خالدؓ بن ولید نے ۱۰ھ میں بطور خاص جاکر اسلام کی دعوت دی تھی۔ خاصی تعداد نے اسلام قبول کیا تھا حضرت خالدؓ ان کو کچھ مدت کے لیے عقاید اور احکام کی تعلیم و تربیت دیتے رہے مگر حضور انورؐ نے واپس بلایا اور بحکم حضورؐ چند سرکردہ افراد کو ساتھ لائے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے میں کچھ اچھی اقدار رکھتے تھے، حضورؐ ان پر بہت خوش ہوئے اور وفد کے ممتاز قیس بن حصین کو ان لوگوں پر امیر مقرر فرمایا۔

۱۲۔ وفد نجران :-

نجران کی وادی میں تہتر بستیاں آباد تھیں۔ آبادی کثیر تھی اور قریب قریب سب لوگ یہودی تھے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب ارسال فرمایا۔ ابتدا یوں ہوئی "ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام سے شروع کرتا ہوں اس کے بعد تمھیں بندوں کی آقائی سے خدا کی آقائی کی طرف پکارتا ہوں۔ اگر تم اس سے انکار کرو تو تم پر جزیہ لازم ہے اگر اس سے بھی انکار کرو تو اعلان جنگ ہے۔

اسقف نے خط پڑھا تو تھرتھرایا۔ پوری وادی کے عوام کا اجتماع منعقد ہوا۔ اکابر کے پیش نظر یہ امکان تھا کہ شاید یہ وہی آخری نبی موعود ہیں جو بنی اسماعیل سے اٹھنے والے ہیں۔ اجتماع میں قرار پایا کہ اکابر کا ایک وفد مدینہ جائے اور حضورؐ سے بات چیت کرکے جائزہ لے۔ شرجیل، عبداللہ اور جبار نامزد ہوئے۔ مدینہ سے سیاسی اطاعت اور جزیہ ادا کرنے کے وعدے پر فرمان حاصل کیا اور نجران

Marfat.com

واپس آئے۔ واپس آنے پر اسقف اور اعلےٰ سردار استقبال کے لیے آئے۔ فرمان اسقف کو پیش ہوا تو اس کا چچازاد بھائی عبارت کی طرف اس قدر متوجہ ہوا کہ اونٹنی سے گر پڑا۔ اس وقت اس کی زبان سے نکلا "بُرا ہو اس شخص کا جس کی وجہ سے ہم مصیبت میں پڑ گئے"۔ اسقف نے سختی سے کہا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم! وہ نبی مرسل ؐ ہیں"۔ اب بشیر بن معاویہ کے دل میں ایک انقلاب آگیا اور اس نے یہ عزم ظاہر کیا کہ "اچھا تو اب خدا کی قسم! میں اونٹنی کا پالان اس کی بارگاہ میں جا کر اتاروں گا"۔

اسقف اس کے پیچھے پیچھے اونٹنی پر دوڑتا ہوا پکارتا رہا کہ "میری بات سنو، میرے کہنے کا مطلب سمجھو کہ میں کس مصلحت سے وہ فقرہ کہہ رہا تھا"۔ بشیر نے ایک نہ سنی اور کہا۔ "تمھارے دہن سے اتنی بڑی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی۔ تم سے کبھی جھوٹ سرزد نہیں ہوا"۔ وہ دھن کا پکا تھا۔ سیدھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دعوتِ حق کی سعادت حاصل کی۔ وہیں مقیم ہوا اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔

کچھ مدت کے بعد نجران کا اسقف ابوالحارث پھر ایک وفد لے کر مدینہ پہنچا۔ اس وفد میں ایک عیسائی جج و مفتی عبدالمسیح عاقب اور چوبیس دیگر اکابر شامل تھے۔ یہ لوگ چند روز مدینہ میں مقیم رہے۔ ان کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب اور عقاید کے مطابق ادائے نماز کی اجازت ملی۔

ان کی آمد پر مقامی یہودیوں نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ عقیدۂ تثلیث اور حضرت مسیح علیہ السلام کی حیثیت زیر بحث آئی۔ تو قرآن نے ان کے مسائل میں وفد کو روشنی پہنچائی، یہودیوں نے یہ افواہ بھی اڑائی کہ حضور ؐ خود عیسٰی کی جگہ لے کر اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ؐ نے دیا کہ کوئی شخص جسے اللہ نے کتاب، حکم اور نبوت سے سرفراز کیا ہو، لوگوں سے یہ کہنے کا مجاز نہیں ہے کہ میری عبادت کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کے بارے میں بھی

قرآنی فیصلہ سنایا کہ وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی، کیوں کہ توریت اور انجیل دونوں صحیفے ان کے بعد نازل ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ پورے مسلم تھے اور شرک سے پاک تھے۔

جب بحث جاری رہی اور یہودیوں کے اشارے سے عیسائی وفد نے اپنی ہٹ دھرمی قایم رکھی تو قرآن نے ان کے سامنے ایک فیصلہ کن صورت مباہلہ کی رکھی۔ حضورؐ کو حکم ہوا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ "آؤ اپنی اولادوں اور مستورات کو بلالیں اور خود بھی میدان میں آجائیں۔ پھر خدا سے اپنے بارے میں فیصلہ چاہیں اور جھوٹے کے خلاف خدا کی لعنت کی دعا کریں۔"

اللہ تعالے کا حکم ہو تو سچائی میں کونسی کسر رہ جاتی۔ اطمینان قلب کے ساتھ دوسری صبح کو اپنی پیاری بچی حضرت فاطمہؓ اور معصوم نواسوںؓ اور حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر نکلے۔ یہ مظاہرہ دیکھ کر عیسائی تھرتھرائے کہ اگر واقعی یہ خدا کے نبی ہوتے تو ہمارا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ لہٰذا انھوں نے سیاسی اطاعت کی پیش کش کی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر چھوڑا کہ راتوں رات جزیہ کی مقدار تجویز فرمائیں۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، خلوص، حلیمی اور ایمان کامل پر پورا بھروسہ کیا۔ اگلے روز فرمان لکھ دیا گیا اور فراخدلی سے مذہبی اور سماجی خود مختاری دی گئی کہ ان کے افراد اور املاک اپنی موجودہ حالات میں قایم رہیں گے۔ اور ان کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ ان کے پیشواؤں اسقف اور راہب میں سے کسی کو نہ بدلا جائے۔ جاہلیت کے گذشتہ دور کے جرائم پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ ظالم اور مظلوم کے درمیان پورا انصاف ہوگا۔ اتنی بڑی آبادی سے صرف دو ہزار اوقیہ مالیت کے حلے (لباس) بطور سالانہ ٹیکس مقرر کیے گئے۔

وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابو عبیدہ بن جراح کو فرمان دیا کہ ان کے ساتھ جاکر جزیہ وصول کرے اور ساتھ ساتھ تبلیغ کا کام بھی کرے۔ اسلام نے جبر

کی اجازت نہیں دی ہے۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن ۔

نجران کی آبادی دو گروہوں میں منقسم تھی۔ نصاریٰ اور امیین۔ امیین نے اسلام قبول کیا اور نصاریٰ نے سیاسی اطاعت پر معاملہ کیا۔

۱۳۔ وفد بنو فزارہ :۔

یہ ایک سرکش قبیلہ تھا۔ ۹ھ میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آرہے تھے تو ان کے وفد نے آکر اسلام کی بیعت کی۔ علاقہ کے حالات پوچھنے پر انھوں نے قحط سالی کا ذکر کیا کہ "یا رسول اللہ! ہماری بستیاں تباہ ہوگئیں۔ مویشی ہلاک ہوگئے۔ بال بچّے سوکھ کر کانٹا ہوگئے۔ خدا سے ہمارے لیے آپؐ سفارش کیجئے اور خدا آپؐ سے ہماری سفارش کرے۔" حضورؐ نے ٹوکا کہ خدا سے میں سفارش کرتا ہوں۔ مگر وہ کون ذات ہوسکتی ہے جس کے سامنے خدائے ذوالجلال سفارش کرے۔ اس کی پاک ذات ساری کائنات پر محیط ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔" پھر ان کے لیے آپؐ نے باران رحمت کی دعا کی۔ جس کی اجابت درگاہ باری تعالےٰ سے بہت جلد آئی۔

۱۴۔ وفد بنو عامر :۔

اس قبیلہ کے تین سردار۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمٰی ایک اچھا خاصا وفد ساتھ لائے تھے۔ عامر اور اربد دونوں سردار قتل کی سازش بنا کر آئے تھے۔ وفد حضور انورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو "سیّدنا" کہہ کر مخاطب کیا۔ حضورؐ نے اس انداز گفتگو کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ آقا تو خدا ہی ہے۔ انھوں نے پھر تعریفی الفاظ استعمال کیے تو حضورؐ نے پھر ٹوکا کہ بات کرتے ہوئے شیطان کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کہیں بہکا نہ لے جائے۔ عامر بن طفیل نے باقاعدہ سودا کرنے کے لیے اپنی شرائط رکھیں کہ :

۱۔ دیہاتی علاقے پر آپؐ حکومت کریں اور شہر میرے زیر اقتدار ہوں۔

۲۔ اپنے بعد مجھے اپنا جانشین نامزد کیجیے۔

Marfat.com

۳: ورنہ میں غطفان کو لے کر چڑھائی کروں گا۔

عامر نے اربد کو تیار کر رکھا تھا کہ میں حضورؐ کو باتوں میں لگاؤں گا اور تم موقع پاکر کام تمام کر دینا۔ مگر جہاں اللہ تعالےٰ کا تحفظ حاصل ہو اربد کیا کر سکتا تھا۔ وہ تو رعبِ نبوت کے سبب بالکل ساکت رہا۔ اس طرح دونوں مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ حضورؐ نے ان کے غلیظ ارادوں کو بھانپ لیا تھا۔ سو آپؐ نے دعا کی کہ اے قادرِ مطلق! ان کے شر سے بچائیو۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ عامر طاعون کا شکار ہو گیا اور اربد بن قیس پر بجلی گری اور اسے خاکستر کر گئی۔

۱۵۔ وفد عذرہ:۔

صفر ۹ھ میں اس قبیلہ کے بارہ افراد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حمزہ بن نعمان بھی ان میں شامل تھے۔ انھوں نے اپنا تعارف کرایا اور قرابت کا اظہار کیا۔ حضور انورؐ نے اسی حساب سے استقبال فرمایا۔ وہ سب کے سب دائرہ اسلام میں آئے۔ حضور انورؐ نے انھیں خوش خبری سنائی کہ شام ختم ہو جائے گا اور ہرقل ملک چھوڑ کر چلا جائے گا۔ رسول اکرمؐ نے کچھ توہمات سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی۔ روانگی کے وقت وفد کو حسب معمول زادِ راہ سے نوازا گیا۔

۱۶۔ وفد بلی:۔

اس قبیلے کا علاقہ بڑی سیاسی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ لوگ ربیع الاول ۹ھ میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ کے رویفع بن ثابت بلوی کے ہاں ٹھیرے۔ انھوں نے آنحضورؐ کے سامنے وفد کے افراد کا تعارف کرایا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا کہا اور یہ سب لوگ اسلام کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ روانگی کے وقت حسب دستور زادراہ اور کھجوروں سے نوازا گیا۔

۱۷۔ وفد کندہ:۔

کندہ علاقہ یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت اشعث ابن قیس ۶۰ یا ۸۰ سواروں کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ یہ اعلےٰ درجہ کے ریشمی جبّے پہن کر حضورؐ کے سامنے

Marfat.com

پہنچے۔ باتیں ہوئیں۔ آنحضورؐ نے دریافت فرمایا "کیا تم لوگ مسلمان ہو چکے ہو؟" انھوں نے عرض کیا "ہاں، یارسول اللہ!" اس پر آپؐ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر یہ ریشمی لباس کیوں؟ یہ بابرکات الفاظ سن کر ان لوگوں نے فوراً ریشم کو پارہ پارہ کرکے اپنے لباس سے الگ کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں سچّی اتباع۔

۱۸۔ وفد ازد :۔

بنی اَزد بھی علاقہ یمن میں رہتے تھے۔ اس کا وفد صرد بن عبداللہ ازدی کی قیادت میں آیا۔ فوراً حلقہ دعوت میں شامل ہوئے اور حضرت صرد بن عبداللہ قبیلہ کے امیر مقرر ہوئے۔

۱۹۔ وفد جرش :۔

شہر جرش یمن کے ایک سرکش قبیلے کے قبضے میں تھا۔ یہاں ایک قلعہ بھی موجود تھا۔ حضرت صرد بن عبداللہ ازدی کی فوجی قیادت میں شہر کو محاصرے میں لیا گیا۔ محاصرہ طویل ہوا اور جرش والوں نے شکست مان لی۔ ان کا ایک وفد مدینہ آیا بات چیت کا نتیجہ مثبت رہا اور ملحقہ علاقہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

۲۰۔ وفد ہمدان :۔

یہ وفد ایک سو بیس افراد پر مشتمل تھا۔ اس میں کچھ ممتاز ہستیاں بھی تھیں۔ ان میں سے مالک بن نمط نے بارگاہ نبوت میں کچھ رجزیہ اشعار پڑھ کر وفد کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو قبیلہ کی مسلم جماعت کا امیر مقرر فرمایا۔ ہمدان کے علاقہ میں پہلے حضرت خالدؓ کو دعوتی اور تعلیمی مشن پر مقرر کیا گیا۔ مگر چھ ماہ تک نمایاں کامیابی نہ ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو ایک خصوصی خط دے کر بھیجا۔ حضرت علیؓ نے جاتے ہی نماز کے بعد مجمع عام میں خط پڑھ کر سنایا اور خط سنتے ہی بکثرت لوگ دائرۂ اسلام میں آ گئے۔ حضرت علیؓ نے بذریعہ خط آنحضورؐ کو ساری روداد بھیجی۔ اسے پڑھ کر حضورؐ سجدے میں آ گئے، سر اٹھایا اور فرمایا "السلام علی ہمدان۔"

Marfat.com

۲۱۔ وفد تجیب :۔

یہ یمن کے خاندان کندہ کا ایک ذیلی وفد تھا۔ یہ قبیلہ پہلے ہی سے اسلام لایا تھا اور اپنے آپ کو اس کے تقاضوں کے سانچہ میں عملاً ڈال رہے تھے۔ اس وفد میں تیرہ افراد شامل تھے۔ اپنے ساتھ زکوٰۃ کے اموال لائے اور مویشی لائے اور عرض کیا کہ اللہ کا حق حاضر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ واپس لے کر مقامی مستحق لوگوں میں صرف کرو۔ انھوں نے بیان کیا کہ ان کو اپنا حصّہ دے کر یہ اموال لائے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس موقع پر بے ساختہ پکار اٹھے "یا رسول اللہ! عرب کا کوئی وفد تجیب کی شان کا نہیں آیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔" ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کا دل ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔"

۲۲۔ وفد بنی سعد ہذیم (قضاعہ)

اس قبیلہ کا وفد مدینہ پہنچا۔ وفد کے کچھ آدمی اخلاص اور شعور سے پہلے ہی مسلمان ہوئے تھے اور کچھ سیاسی حالات کی وجہ سے تابع ہوتے تھے۔ بہر حال سبھوں نے دستِ نبوت پر بیعت کی۔ حسب معمول زادِ راہ سے نوازا گیا۔ یہ زاد راہ چاندی کی صورت میں عنایت ہوا۔

۲۳۔ وفد بہرا :۔

یہ بھی علاقہ یمن کا قبیلہ تھا۔ وفد میں تیرہ آدمی شامل تھے۔ یہ لوگ پہلے ہی اسلامی قدروں سے آشنا اور متاثر تھے۔ حضور انورؐ کو دیکھ کر اور بھی یقین سے مالا مال ہوئے اور خلوص دل سے اسلام قبول کیا۔ کچھ دن قیام کر کے اسلام کے فرائض اور احکام سیکھے اور پھر واپس چلے گئے۔ حسب دستور زاد راہ عنایت ہوا۔

۲۴۔ وفد ذی مزہ :۔

حارث بن عوف کی سرگردگی میں تیرہ آدمیوں کا یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضورؐ سے تعارف کراتے ہوئے لوی بن غالب کی اولاد ہونے کے ناطے قرابت کا اظہار کیا۔ حضور انورؐ نے ان کے علاقہ کا حال پوچھا تو انھوں نے قحط سالی کا ایک خوفناک نقشہ

Marfat.com

کھینچا اور دعا کی درخواست کی۔ اسلامی لوازمات سے آگاہی پائی اور چند روز کے قیام کے بعد زادِ راہ لے کر واپس چلے گئے۔ گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ عین دعا کے روز ہی بارش ہوئی تھی۔ بہت خوش ہوئے اور قوتِ ایمان میں مزید تقویت آگئی۔

۲۵۔ وفد خولان :-

دس افراد کا یہ وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو "عم انس" نامی بت کا ذکر کیا کہ ابھی معمر آدمی اس کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن واپسی پر اس کو مسمار کریں گے۔ نئی اسلامی زندگی کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کیں۔ اور زادِ راہ لے کر واپس چلے گئے۔

۲۶۔ وفد محارب :-

یہ لوگ اسلام سے قبل نہایت تند مزاج اور بد اخلاق تھے۔ ابتدائی دورِ دعوت میں ان لوگوں نے حضور پاکؐ کے خلاف بالکل ناشائستہ رویّہ اختیار کیا تھا۔ تائب ہو کر دس افراد کا یہ وفد آنحضورؐ کے سامنے حاضر ہوا تو آپؐ نے ایک آدمی کو پہچانا۔ وہ گھبرا کر بولا کہ آپؐ مجھ سے ایک بار عکاظ میں ملے تھے اور میں نے آپؐ سے بڑی بیہودہ گفتگو کی تھی اور آپؐ کی دعوت بد تمیزی کے ساتھ رد کی تھی۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی ہم سے زیادہ آپؐ کا اور اسلام کا دشمن نہ تھا۔ لیکن خدا کا بڑا شکر ہے جس نے مجھے راہ راست پر آنے کی توفیق بخشی۔ یہ کہنے کے بعد رحمتِ عالمؐ سے دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام دورِ کفر کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ان بابرکت الفاظ سے اس نومسلم کے دل کو سکون آگیا۔

۲۷۔ وفد بنی المنتفق :-

اس قبیلہ سے نہیک بن عاصم اور لقیط بن عامر بطور وفد مرکزِ اسلام میں وارد ہوئے۔ اس وقت حضور نازنینؐ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے اختتام پر لقیط نے قیامت، جنت اور دوزخ کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔ حضورؐ نے تفصیل سے سمجھایا۔ پھر انبیاء اور اسلاف کے بارے میں کچھ باتیں ہوئیں۔ ایک سوال براہ راست حضورؐ انور سے یہ کیا کہ آیا آپؐ کو علم غیب حاصل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا کہ خزانۂ غیب کی چابیاں خدائے تعالےٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔

۲۸۔ طارق بن عبداللہ اور اس کے ساتھی:۔

یہ طارق بن عبداللہ وہ شخص ہیں جنھوں نے سوق المجاز کا وہ منظر دیکھا تھا کہ حضورؐ قبائل میں دعوت دیتے پھر رہے تھے اور آپؐ ہی کا سگا چچا پیچھے پیچھے کنکریاں پھینکتا ہوا کہتا ہوا جاتا تھا کہ "لوگو! اس پر ایمان نہ لانا۔ یہ (نعوذ باللہ) کذّاب ہے۔" پھر یہی طارق عبداللہ ربدہ سے ایک گروہ کے ساتھ کھجوریں خریدنے کے لیے مدینہ آئے۔ حضور انورؐ ان کی اقامت گاہ سے گزرے۔ آپؐ نے ان سے مدعائے سفر پوچھا اور ساتھ ہی ایک اونٹ کا سودا کیا۔ قیمت بھجوانے کا وعدہ ہوا۔ بعد میں طارق اور ان کے ساتھیوں کو کھٹکا سا ہوا کہ کہیں ہم سے دھوکا تو نہیں ہوا۔ اس قافلے میں ایک معزز خاتون بھی تھیں۔ اس خاتون نے کہا کہ اس شخصؐ کا روشن چہرہ میں نے دیکھا ہے۔ وہ کبھی دھوکا باز نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ قیمت ادا نہ کرے تو میں ضامن ہوں۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک آدمی آیا اور اونٹ کی قیمت کی کھجوریں الگ ادا کیں اور ہدیہ کی الگ دیں۔ اس دیانت دارانہ اور فیاضانہ سلوک سے ان کے دل متاثر ہوئے۔

بعد میں یہ لوگ شہر میں آئے تو آنحضورؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ خطبے کا موضوع صدقہ تھا۔ خطبہ سن کر یہ لوگ اور بھی متاثر ہوئے اور دل و جان سے دائرۂ دینِ حق میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔

۲۹۔ قاصد منجانب ملوکِ حمیر:۔

حمیرؔ ایک شاہی خاندان تھا۔ اس کی طرف سے قاصد ایک خط لایا۔ جس میں حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان، قیل و ذورعین معافر اور ہمدان کے قبولِ اسلام اور ترکِ شرک کی اطلاع تھی۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں ایک مفصل فرمان ملوکِ حمیر کے نام بھجوایا۔ اس میں ان کو بنیادی احکام یعنی مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی ہدایات درج فرمائیں اور ساتھ ہی مذہبی

Marfat.com

آزادی کے حق کی وضاحت فرمائی کہ جو لوگ اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہنا چاہیں ان کا مذہب تبدیل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرمان میں لکھوایا کہ زرعہ ذی یزن کی طرف ہمارے نمایندہ افسر۔ معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرّہ اور کچھ دوسرے لوگ روانہ کیے جارہے ہیں کہ وہ زکوٰۃ، صدقہ اور جزیہ کی رقوم جمع کر کے لائیں۔

۳۰۔ وفد نخع :۔

یمن ہی سے دو سو اشخاص کا یہ وفد محرم ۱۱ھ میں مدینہ پہنچا۔ دراصل یہ لوگ معاذؓ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ دلوں میں شوق پیدا ہوا کہ مرکز اسلام میں جا کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ مختصر قیام کے بعد بیعت کر کے واپس ہو گئے۔

ان وفود کا سلسلہ جاری رہا۔ کثرت سے لوگ حلقۂ اسلام میں شامل ہوتے رہے اور حقیقی معنوں میں یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا کا مفہوم سامنے آیا۔ کیوں نہ ہو ؎

ہر کجا بود چشمۂ شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

انسانی فطرت خود بخود سچائی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ خاص کر کے جب سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہمہ گیر اور بے مثال شخصیت کا زور استدلال اور بے نظیر اسلوب بیان کے ساتھ قرآنی پُر اثر احکام اور ہدایات لوگوں تک پہنچائی جارہی ہوں۔ اور آپؐ کی سیرتِ طیبہ اور عملی زندگی سے ہدایات کی صداقت اور قرآنی تفسیر کا مظاہرہ ہو رہا ہو۔ جب خدائی سایہ تحفظ کے ساتھ ہر لمحہ ذاتِ اقدسؐ کو سازشوں کے باوجود کوئی زک نہ پہنچا سکے تو صداقت دین سامنے آگئی۔ جہالت دور ہوتی رہی۔ وحدتِ الٰہی کا بول بالا رہا۔ شرک کافور ہوا۔ نور آیا اور تاریکیاں ختم ہو گئیں۔ اسلامی ریاست کی طاقت وسعت پکڑتی گئی، اس میں مقناطیسی

اثر آگیا۔ برے لوگ بھلائی کا رویہ اختیار کر کے دائرۂ اسلام میں جوق در جوق آنے لگے۔ جو لوگ قتل کے ارادے سے تلواریں لے کر آئے' وہی بعد میں مجاہد اور غازی بن کر دینِ حق کے مضبوط ستون ثابت ہوئے۔ ان میں محیر العقول حد تک قوتِ ارادی پیدا ہوگئی اور یک لخت اپنے آپ کو پرانی سماجی کثافتوں اور شرک سے پاک کیا۔ ظہور کا یہ سلسلہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور الحمد اللہ آج تک جاری ہے اور روزِ محشر تک انشاء اللہ جاری رہے گا۔

رحمتِ عالمؐ۔ اور مکاتیبؐ

یہ تو ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ خاتم النبّین صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام یا خاص زمانے کے لیے مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ اسلام کو ایک مکمل دین بنا کر اللہ جل شانہٗ نے حضورؐ کو ساری دنیا میں اور ہمیشہ کے لیے نور اسلام پھیلانے کے لیے مامور فرمایا۔ تاکہ اسلام راستی' اور عدل اخوّت کے نظام کے ذریعہ اس ملوث دنیا سے باطل بے انصافی اور غیر مساویانہ حالات ختم ہوں۔

متذکرہ صدر مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے بین الاقوامی دعوتِ حق کا آغاز مکاتیب سے ہوا۔ تاکہ یہ مرکزی نظام آنے والی مادی ترقی کو ذہنی نظریاتی اور اخلاقی اقدار پیش کرے اور دنیا میں ایک مشترکہ ضابطۂ حیات قائم کر کے تمام اخلاقی اور سماجی برائیوں کو دور کرے۔ اس وقت بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ معاشرتی' اخلاقی اقتصادی اور مذہبی لحاظ سے اسلام کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ دینِ حق انسانیت کے احترام' بنی نوع انسان کی مساوات' جمہوریہ تصوّرات' عقلی اور تجرباتی علوم کی قدر و قیمت کا احساس فطری قوتوں کی تسخیر کا جذبہ' بین الاقوامی معاہدات کا احترام' اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ' امیری اور غریبی کی خلیج کو پاٹنے کی

Marfat.com

صورت وغیرہ سب باتیں اپنے اندر کافی صلاحیت رکھتی ہیں۔

اس کی تصدیق کے لیے میں ایک غیر مسلم مفکر جارج برنارڈ شاہ کی رائے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں "میں نے محمدؐ کے دین کو ہمیشہ ہی بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے، میرے نزدیک یہی مذہب بدلتے ہوئے زمانۂ حیات کے مقابل ایسی اہلیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے یہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اپیل کرتا ہے۔ میں نے اس عظیم الشان شخصیتؐ کا مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں وہؐ انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر موجودہ زمانے میں محمدؐ جیسا انسان دنیا کا ڈکٹیٹر یا آمر بن جائے تو وہ ہمارے زمانہ کی مشکلات کا ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں حقیقی مسرت اور امن حاصل ہو جائے۔"

جہاں تک اس عظیم الشان شخصیتؐ کا تعلق ہے میں ایک "شہادت پیش کر رہا ہوں۔ وہ یوں ہے کہ عہد حاضر کے ایک امریکی ریسرچ اسکالر اور فاضل میکائل ایچ ہارٹ (MECHAEL H. HART) نے THE HUNDRED دی ہینڈرڈ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور شائع کی ہے اس نے زمانۂ تاریخ انسانی کے ایک سب سے بڑے اور زیادہ با اثر افراد کی زندگی اور کارناموں کا جائزہ پیش کیا ہے اور سب سے اعلےٰ اور سرفہرست ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات بابرکات کو قرار دیا ہے۔

سرور عالمؐ نے تمام اسلامی اقدار کے ممکن ہونے کا ایک بین ثبوت اس طرح پیش کیا ہے کہ تیرہ برس کی قلیل مدت میں ابتدائی دعوت کے کارپرداز تیار کرنے کا کام مکمل کر دکھایا اور پھر صرف آٹھ برس میں اسلامی سلطنت کھڑی کر کے مخالفت کا سارا زور توڑ ڈالا۔ اور اپنی پاک زندگی ہی میں دعوتِ اسلام کی خوشبو سے اس پاس کی سلطنتوں کو معطر کر دیا۔

حضور انورؐ نے رعایا کے بجائے راعی کو اس لیے خط تحریر فرمائے کہ اس زمانے

میں رعایا کو شہری حقوق نہ ہونے کے برابر تھے اور پھر ایسا کرنا بادشاہ کو ناگوار گزرتا کہ اس کی رعایا کے ساتھ کوئی اجنبی براہِ راست تعلقات پیدا کرے۔ آپ نے ازلی حکمت کو بروئے کار لاکر تاجداروں کو لکھتے ہوئے مروجہ آداب کا اہتمام کیا۔ بطور خاص مہر ثبت کرنے کے لیے انگوٹھی بنوائی۔ اس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ کروائے۔ اپنا ایک اسلوب پیدا فرمایا۔ ہر خط کا آغاز خدا کے رحمٰن اور رحیم کے نام سے کیا۔ پھر مرسل کی حیثیت سے اپنا اسم مبارک لکھوایا۔ پھر مکتوب الیہ کا نام۔ پھر مختصر مگر پُرمعنی انتہائی محتاط اور نپے تلے الفاظ میں مدعا بیان فرمایا۔ ان کا مکاتیب میں ایک جملہ "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" کا (اسلام لاؤ اور سلامتی پاؤ) تھا۔ دیکھیے جملہ کتنا مختصر ہے اور کتنے معنوں کا حامل ہے۔ خود "سلامتی پاؤ گے" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہی سلامتی کا مسلک ہے اور دوسرا مطلب اچھی خاصی دھمکی بھی ہے۔ لفظ تو صرف دو ہیں اور مطلب جتنے چاہو۔ اس طرح باقی جملے بھی پُرمعنی اور کبھی کبھی ذومعنی بھی ہوتے تھے۔

ذومعنی الفاظ سے حضورؐ کا کبھی یہ مطلب نہ تھا کہ بات غیر واضح ہو بلکہ یہ تھا کہ اب اسلامی طاقت کسی اور طاقت سے مرعوب نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اپنے دشمن کو چیلنج کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

اب ملاحظہ ہو خطوط کہاں کہاں ارسال فرمائے گئے اور کیا نتائج برآمد ہوئے:

۱: اصحم بن ابجر نجاشی، شاہ حبش کے دربار میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ حضورؐ نے ایک دعوتی خط ارسال فرمایا۔ نجاشی پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ اس کا حوالہ دیگر عمایدِ سلطنت (جلد دک) کو دعوت دی گئی۔ خط کا جواب شاہ حبش نے اپنے بیٹے ارہا کو سفیر بنا کر بھیجا اور یہ پیش کش بھی کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں خود حاضر بارگاہ ہو جاؤں۔

۲: علا بن حضرا کے ہاتھ حضور انورؐ نے منذر بن ساوی بحرین کے حکمراں کو دعوت نامہ ارسال فرمایا۔ منذر نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا اور رعایا میں سے بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ جوابی خط میں اطلاع دی کہ بعض لوگوں نے

Marfat.com

مخالفت کی۔ وہ یہودی اور نصرانی رہنا چاہتے ہیں۔ مدینہ سے دوبارہ فرمان گیا کہ ان پر جزیہ عاید ہوگا۔ اور وہ اپنے مذہب پر رہ سکتے ہیں۔ یہ فرمان "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کی ایک عملی مثال تھی۔

۳: حضورؐ نے عمرو بن عاص کے ہاتھ جلندری کے دو بیٹوں جیفر اور عبد کے نام ایک خط ارسال فرمایا۔ ان دونوں بھائیوں کا اقتدار عمان پر چلتا ہے۔ عمرو بن عاص پہلے چھوٹے بھائی عبد سے ملے۔ اس نے بڑی گفتگو کی اور نجاشی کے اسلام لانے کی خبر سنی کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ اپنی بادشاہت پر قائم ہے اور ہرقل نے بھی کوئی اقدام نہ کیا حالانکہ اسلام لانے کے بعد نجاشی نے ہرقل کو خراج دینا بھی بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد سفیرِ اسلام نے حضورؐ کی خاص خاص تعلیمات کا ذکر کیا۔ عبد کے دل میں ولولہ پیدا ہوا اور اس نے حسرت کے ساتھ خواہش ظاہر کی کہ کاش میرا بڑا بھائی بھی مان جائے اور ہم دونوں بھائی مدینہ جا کر اسلام کی سعادت حاصل کریں۔ خط دونوں بھائیوں کی موجودگی میں پڑھا گیا۔ سوال و جواب ہوئے اور قاصد نے کہا کہ قریش نے چار و ناچار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ساتھ ہی آپؐ کے پُر وقار ساتھیوں کا ذکر کیا۔ بالآخر دونوں بھائی حق کی باتوں سے متاثر ہوئے اور اسلام کے سایۂ رحمت میں آ گئے۔ رعایا میں سے بھی کچھ لوگ اسلام لائے۔

۴: ہوزہ بن علی یمامہ کا عیسائی حاکم تھا، مدینہ سے سلیط بن عمرو دعوتی خط لے گئے تو ہوزہ نے سودا کرنے کے لیے شرط رکھی کہ اسلامی ریاست میں آدھا حصہ میرا ہو۔ حضورؐ تک یہ روداد پہنچی تو فرمایا کہ وہ ایک کھجور برابر زمین مانگے تو میں نہ دوں گا۔ اسلامی نظام جس سرزمین پر قائم ہوتا ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ ایک مقدس امانت بنتا ہے۔

۵: منذر بن حارث بن ابو شمر دمشق کا حاکم تھا۔ شجاع بن ابوہب الاسدی سفیر بن کر حاکم دمشق کے پاس پہنچے۔ منذر خط دیکھ کر غصے میں آ گیا مگر بعد میں توازن

بحال کیا اور سفیر کو با اعزاز رخصت کیا البتہ اسلام قبول نہ کیا۔

۶ : جریح بن متی مقوقس اسکندریہ اور مصر کا عیسائی تاجدار تھا۔ حاتم بن ابی بلتعہ کو حضور انورؐ نے اس کے دربار میں روانہ فرمایا۔ انھوں نے خط دینے کے بعد بے باکانہ گفتگو کی اور مقوقس کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ پہلے بھی اس سرزمین میں ایک شخص (فرعون) گزرا ہے جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور آخر کار خدا کے غضب کا شکار ہوا' پس لازم ہے کہ آپ لوگ دوسروں سے عبرت حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے آپ لوگوں سے عبرت حاصل کریں۔

پھر عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی برتری کے دلائل دے کر یہ بھی کہا کہ ہم آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے پیش کردہ صحیح دین کی طرف بلا رہے ہیں' کوئی نئی راہ نہیں دکھا رہے ہیں۔

مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر اس نے نامۂ نبوت کا بڑا احترام کیا۔ اسے ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھ کر خزانے میں محفوظ رکھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیش بہا تحائف بھیجے جن میں ذلذل نامی مشہور خچر بھی تھا۔ جوابی خط میں لکھا کہ مجھے معلوم ہے کہ نبیؐ آخر زماں کی آمد باقی ہے مگر میرے خیال میں وہ شام میں اٹھیں گے۔

۷ : ہرقل یا قیصر رومی سلطنت کے مشرقی حصّے کا حکمراں تھا۔ اور قسطنطیہ اس کا دارالخلافہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیہ بن خلیفہ کلبی کو نامۂ مبارک دے کر قیصر کے دربار میں روانہ فرمایا۔ وحیہ بیت المقدس کے مقام پر جا کر ان سے ملے۔ سفیر مدینہ کے اعزاز میں ہرقل نے بھاری دربار منعقد کیا اور نبی اکرمؐ کے بارے میں بہت تفصیلات دریافت کیں۔ پھر دریافت کیا کہ اگر مکہ کا کوئی اور آدمی اس علاقے میں ہو تو اُسے بلایا جائے۔ اتفاقاً حضورؐ کے مخالف محاذ کا قائد ابو سفیان ملا۔ ساتھیوں سمیت دربار میں لایا گیا تو ہرقل نے ان لوگوں سے کہا کہ میں ابو سفیان سے کچھ سوالات کروں گا۔ اگر کوئی بات غلط

ہو تو بتا دینا۔

ابوسفیان کا اپنا قول ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کچھ جھوٹ بھی ملاتا۔ مگر ایسا ہی ہونا تھا جیسا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صداقت کی حمایت فرماتا ہے۔

بہرحال قیصر نے سرورِ عالمؐ کے خاندان، نسب اور رفقاء تحریک کے حالات، رفتار ترقی، جنگی صلاحیت، اسلام کی تعلیمات اور دوسری کچھ باتیں دریافت کیں۔ ساری باتیں سن کر ابوسفیان سے کہا کہ "اگر تمھاری سب باتیں درست ہیں تو وہ شخص ایک روز اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں میں اس وقت بیٹھا ہوا ہوں۔ کاش میں حاضر خدمت ہو سکتا اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں دھویا کرتا!"

اس کے بعد نامۂ مبارک پڑھا گیا۔ درباری خط سن کر بہت سٹپٹائے کیونکہ اب وہ ہرقل کی ذہنی کیفیت سے بیزار ہو چکے تھے۔ انھوں نے سفیر اور ان کے ساتھیوں کو باہر نکال دیا۔ ہرقل کے علاوہ خود ابوسفیان بھی اس مکالمے سے متاثر ہوا کہ اسلام کی عظمت اور صداقت کس قدر بلندیوں کو چھو رہی ہے۔

۸، خسرو پرویز کسریٰ ایران کی بہت بڑی سلطنت کا حکمراں تھا۔ وہ زرتشت کے مذہب کا پیرو تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو سفیر بنا کر نامۂ دعوتِ اسلام ارسال فرمایا۔

خسرو کسریٰ غرور کے نشہ میں چور تھا۔ اس کی عقل اور دور اندیشی زائل ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ کس عظیم ہستیؐ کی طرف سے مکتوب آیا ہے۔ خط دیکھ کر بپھر گیا اور نامۂ نبوت کو یہ کہہ کر چاک کر دیا کہ "ہماری رعایا کا ایک فرد اتنی جرأت دکھاتا ہے۔"

اس نے یمن کے گورنر باذان کو مامور کیا کہ مکتوب نگار کو فوراً گرفتار کر کے پیش کیا جائے۔ باذان نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا۔ یہ دستہ مدینہ پہنچا تو ان کے سردار نے حضورؐ تک مدعا پہنچایا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "کل صبح آکر پھر ملو۔" شاید حکم الٰہی کا انتظار تھا۔

دوسری صبح یہ لوگ حاضر ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ "آج رات خداوند کریم نے تمہارے بادشاہ کو اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جاؤ اور جا کر معلوم کر لو۔" جونہی باذان کو اس پیشن گوئی کی حقیقت معلوم ہوئی تو اس نے سایۂ اسلام میں آکر سعادت حاصل کر لی۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ ایمان کی دولت سے مالامال ہو گئے۔

آنحضورؐ نے کسریٰ کی ناشائستہ رویہ کی روداد سن کر فرمایا کہ کسریٰ نے میرے خط کو چاک کر کے دراصل اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ حضورؐ کے الفاظ میں قضائے الٰہی بول رہی تھی۔ کیونکہ دس پندرہ برس کے مختصر وقت کے اندر اندر چار پانچ ہزار سال کی قدیم اور عظیم سلطنت اسلام کے قدموں میں مفتوح پڑی تھی۔

متذکرہ بالا مکاتیب کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے والیوں تک دعوتِ اسلام بھیجی گئی۔ ان میں سے ایک تو فردہ بن عمرو رومی سلطنت کا گورنر تھا جس نے اسلام قبول کر کے جاہ و جلال ہی نہیں چھوڑا بلکہ شہادت پا کر اسے عمرِ جاودانی نصیب ہوئی۔

دوسرا نجد کا حکمران ثمامہ تھا جو ۶ھ میں حلقۂ اسلام میں شامل ہوا۔ تیسرا جبلہ غسانی ۷ھ میں مسلمان ہوا۔ چوتھا دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر بھی مسلمان ہوا۔ پانچواں ذوالکلاح حمیری جو حمیر کا سلطان تھا اور اپنے آپ کو (نعوذ باللہ) خدا کہلواتا تھا اور سجدے کراتا تھا۔ بالآخر راہِ راست پر آکر نورِ ایمان سے منور ہوا اور دورِ فاروقی میں بادشاہت چھوڑ کر فقیرانہ زندگی بسر کرنے کے لیے مدینہ آیا اور اسلام لانے کی خوشی میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو بدترین مشرک کو بھی اسلام کی سعادت بخشتا ہے۔

اوپر دیئے ہوئے چند واقعات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کے اس قلمی محاذ سے بڑے بڑے اہم نتائج حاصل ہوتے۔ سب سے پہلے یہ ہوا کہ آس پاس کی

Marfat.com

سلطنتوں میں پیغامِ حق ایک موضوع بنا اور اسلام کے حقائق سامنے آئے۔ دینِ فطرت کو اپنانے کے لیے لوگوں نے جاہ و جلال کو لات مار کر سادہ مگر پُروقار زندگی بسر کرنے لگے۔ مسلم جماعت کے سامنے ایک وسیع دائرۂ کار اور منظم نصب العین بڑھ گیا اور جانبازانِ اسلام کو ہر لمحہ کمربستہ اور فعال رہنا پڑا۔ انھوں نے عیش پسندی اور تساہل کو غالب آنے نہ دیا۔ کلمۂ حق سے ان کی لگن برقرار رہی اور ہمیشہ یہ خواہش دل میں رہی کہ کس طرح اس مقدس مشن کو آگے بڑھائیں۔ سفارتی معاملات میں اپنے رفقاء کو ڈال کر حضورؐ نے ان کو آنے والی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اچھی خاصی تربیت دی۔ یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مرعوب کن شاہی درباروں اور بھری مجلسوں میں وہ اپنے مکالموں اور قوتِ مباحثہ واستدلال سے وقت وقت کے حکمرانوں اور درباریوں پر غالب آگئے اور اپنی صلاحیتوں سے ان کو متاثر کیا اور پھر جس ایمان ومضبوطی سے " اپنے مسلک کی برتری کے شعور، اپنی سادگی کے ساتھ اپنی عزت کے احساس اور بیانِ حق کے لیے جس جرأت اظہار کا انھوں نے مظاہرہ کیا، اس نے ان کی صلاحیتوں کو اور اجاگر کیا۔ ان کا مثبت کردار اور زیادہ نکھر گیا۔ بین الاقوامی دعوت کی یہ مہم جس کا آنحضورؐ نے آغاز فرمایا تھا۔ اسے تکمیل دینے کی سعادت آپؐ کے جانشین رفقاء اور آپ کی تربیت دادہ جماعت کے حصّے میں آئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

عمرۃ القضاء۔ ذیقعدہ ۷ھ

صلح حدیبیہ میں قریش سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ امسال بغیر عمرہ کیے ہوئے واپس چلے جائیں اور سالِ آیندہ عمرہ کے لیے آئیں اور عمرہ کر کے تین دن میں واپس ہوجائیں۔ اس بناء پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو حکم دیا کہ اس عمرہ کی قضا کے لیے روانہ ہوں جس سے مشرکین نے حدیبیہ میں

Marfat.com

روکا تھا۔

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آپؐ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہدی کے ستر اونٹ ساتھ لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر مسجد میں آپؐ نے اور صحابہ نے احرام باندھا اور اللھم لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ احتیاط کے طور پر ہتھیار ساتھ رکھ لیے۔ معاہدہ حدیبیہ کو مدنظر رکھ کر ہتھیار ہج میں چھوڑ دیئے جو مکہ سے آٹھ میل دُور ہے۔ دو سو آدمیوں کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن رواحہ آپؐ کی ناقہ قصوا کی مہار پکڑے ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔ ترجمہ رجز: "اے کافر کی اولاد! ان کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ الرحمٰن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی ہے کہ بہترین جنگ وہ ہے جو خود اسی کی راہ میں لڑی جائے۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے نبیؐ پر ایمان لایا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے ابن رواحہ کو تنبیہ کی کہ حضورؐ کے سامنے شعر پڑھنا بے ادبی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ "اے عمرؓ! رہنے دو۔ یہ شعر کافروں کے حق میں تیر باری سے سخت ہیں"۔ گیت ہی گیت میں پوری دعوتِ حق بیان ہو رہی تھی جس کی گونج سے مکہ کی فضائیں بزموں سے خالی ہو چکی تھیں۔ جہاد، رحمٰن کا پیارا نام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا تھا۔

حضورؐ نے داخلہ کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ سینہ تان کر چلو اور پھیل پھیل کر طواف کرو تاکہ مشرکین کا یہ پروپیگنڈہ مسترد ہو کہ مہاجرین کی حالت بھوک اور بخار نے پتلی کر رکھی ہے۔ اس وقت دشمنوں کو مرعوب کرنا ضروری تھا۔ یہ مصلحت تھی اور یہ عمل تکبیر میں شامل نہیں ہو سکتا ہے۔ دوڑ دوڑ کر طواف کرنے میں ایک اہم حکمت تھی، کارِ ثواب تھا اور کبر و غرور کی تعریف میں نہیں لایا جا سکتا۔

ہدی کو نحر فرما کر اور حلال کر کے تین دن کے قیام کے بعد نماز ظہر کی اذان حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر دی۔ قریش کے زعماء اس منظر کو دیکھنا گوارا نہ کر سکے اور مکہ مکرمہ چھوڑ کر دور پہاڑوں میں چلے گئے۔

لبّیک..... اللّٰہم لبّیک

حج اسلام کی ایک عظیم درجہ کی بنیادی عبادت ہے اور حرم پاک اسلامی دعوت اور تحریک کا عالمی مرکز ہے۔ اور قبلہ قرار پایا ہے۔ حرم پاک کو یہ سعادت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے زمانے میں حاصل تھی۔ ہر صاحبِ توفیق مسلمان کے لیے عمر بھر میں کم از کم ایک بار مرکز پر مقررہ ایّام میں حاضری دینا اور حج کے تمام لوازمات کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا اور آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ کے ذریعہ ۹ھ میں اس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔

آنحضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس سال حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر تین سو رفقاء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ امیر حج کے علاوہ حضرت علیؓ کو سورۂ برات کی پہلی چالیس آیات لوگوں تک پہنچانے کا حکم ارشاد فرمایا گیا۔ حج کے اجتماع میں یہ آیات سنانا حکم خداوندی کے مطابق ضروری تھا۔ اعلانات یہ تھے:

۱: اعلان کر دیا گیا کہ چار ماہ کی مہلت کے بعد تمام معاہدات بحکم خداوندی کالعدم ہو جائیں گے۔ اس دوران میں لوگ اپنے لیے راہِ عمل خود طے کریں کہ ریاست کی شہریت ترک کرنی ہے یا کہ جنگ کرنی ہے۔

۲: دوسرا اعلان یہ کیا گیا کہ آیندہ حرم پاک اور مساجد کی تولیت کسی مشرک کو نہ سونپی جائے گی۔

۳: تیسرا اعلان یہ تھا کہ آیندہ کوئی مشرک حرم پاک میں داخل نہ ہو اور کوئی شخص حسب سابقہ عریاں ہو کر طواف کعبہ نہیں کر سکتا ہے۔

۴: چوتھا اعلان خدا کی طرف سے چار مہینے کی حرمت کے ثابت ہونے کا کیا گیا۔ کلام کو جاری رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو اس لیے مبعوث کیا ہے کہ وہ دینِ حق کے نظام کو زندگی کے تمام گوشوں پر غالب کر دے،

Marfat.com

چاہے مشرکین کو کوئی بات ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ

ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ میں ہر طرف منادی ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بہ نفس نفیس حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے۔ یہ خبر دفعتاً سارے عرب میں پھیل گئی اور سارا عرب ساتھ چلنے کے لیے موج بحر کی طرح حرکت میں آگیا۔ ذی قعدہ کی ۲۶ر تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہمد باندھی اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ مدینہ سے چھ میل پر ذوالحلیفہ کے مقام پر رات گزاری۔ دوسرے دن غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی اور احرام باندھ کر اپنی خصوصی اونٹنی قصوا پر سوار ہوئے اور بلند آواز سے یہ الفاظ فرماتے جو آج تک ہر حاجی کا ترانہ بنے ہیں۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ... لَا شَرِيْكَ لَكَ

"ہم حاضر ہیں، اے ہمارے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ حمد تیرے لیے ہے۔ نعمت تیرے قبضے میں ہے۔ بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو چاروں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ آدمیوں کا ایک وسیع سمندر نظر آتا تھا جب آنحضرتؐ "لبیک" فرماتے تھے تو کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں کی زبان سے یہی نعرہ بلند ہوتا تھا۔ اور نزدیکی پہاڑوں کی چوٹیوں سے جوابی گونج کا ترنم شانِ الٰہی کو نمایاں کرتا تھا۔ اس طرح یہ کاروانِ عظیم آگے بڑھتا گیا اور اتوار کے روز ذی الحجہ کی ۵ر تاریخ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔

کعبہ نظر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اے خدا! اس گھر

کو عزت اور شرف بخش دے" کعبہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا کہ "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندوں کی مدد کی اور اکیلے نے سارے جتھوں کو شکست دی۔"

عمرہ سے فارغ ہو کر حضورؐ نے دوسرے صحابیوں کو احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس وقت حضرت علی مرتضٰیؓ یمنی حاجیوں کے ساتھ مکّہ پہنچے، جمعرات کے روز آٹھویں ذی الحجہ کو آپؐ نے سارے مسلمانوں کے ساتھ منٰی میں قیام فرمایا۔ عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آکر ٹھہرے۔ دوپہر ڈھل گئی تو قصوا پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لے گئے اور اسی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے حج کا خطبہ دیا۔

خطبۂ عرفات

۱: تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی اور پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے، اسے کوئی دوسرا گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ ہدایت کی توفیق نہ دے، اسے کوئی راہ راست پر نہیں چلا سکتا۔

۲: میں اعلان کرتا ہوں اس بات کا کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

۳: میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے۔

۴: اللہ کے بندو! میں تم کو اسی کی عبادت کی نصیحت کرتا ہوں اور ترغیب دلاتا

Marfat.com

ہوں۔

۵ : میں آغازِ کلام اس بات سے کرتا ہوں جو باعثِ خیر ہے۔

۶ : اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ میں تم کو وضاحت سے بتاتا ہوں، کیونکہ شاید اس سال کے بعد میں تم سے اس مقام پر ملاقات نہ کر سکوں۔

۷ : اے لوگو! تمھارے خون اور تمھارے مال (باہم دگر) حرام کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ اس مہینے (ذی الحجہ) میں اور تمھارے اس شہر میں تمھارا یہ دن حرام ہے۔

۸ : آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ! تو خود گواہ رہیو۔

۹ : سو جس کسی کے قبضے میں کوئی امانت ہو تو اسے اس کے مالک کو ادا کرو۔

۱۰ : دورِ جاہلیت کی سودی رقمیں کالعدم کر دی گئیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کالعدم کرتا ہوں۔

۱۱ : دورِ جاہلیت کے تمام اعزازات اور مناصب کالعدم کیے جاتے ہیں، سوائے کعبہ کے دیکھ بھال کا شعبہ اور حاجیوں کے شعبہ آب رسانی۔

۱۲ : دورِ جاہلیت کے تمام خونوں کے قصاص اور ان کے مطالبات کالعدم کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون کا مطالبہ ساقط کرتا ہوں۔

۱۳ : قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا۔ شبہ قتل عمد جو لاٹھی یا پتھر کی ضرب سے وقوع میں آئے اس کی دیت سو اونٹ مقرر کی جاتی ہے۔ جو اس میں اضافہ کرے وہ اہلِ جاہلیت میں شامل ہوگا۔

۱۴ : اے لوگو! حرام مہینوں کا ادل بدل کفر کے طرزِ عمل میں اضافہ ہے۔ اور اس کے ذریعہ کفار اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔ کہ ایک سال کسی مہینے کو حلال کرتے ہیں اور دوسرے کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں تاکہ خدا کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری ہو۔

Marfat.com

۱۵ : یقیناً آج زمانہ پھر پھرا کر اسی حالت پر آگیا ہے جو اس وقت تھی جب خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں مہینوں کی تعداد قطعی طور پر بارہ ہے۔ اور یہ تعداد (نوشتۂ تقدیر) میں اسی طرح ثبت ہے۔ اُن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ!

۱۶ : آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ! تو خود بھی گواہ رہیو۔

۱۷ : اے لوگو! تمھاری خواتین کو تمھارے مقابلے میں کچھ حقوق دیئے گئے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ تمھاری خواب گاہوں میں تمھارے علاوہ کسی کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو تمھاری اجازت کے بغیر داخل نہ ہونے دیں جس کا داخل ہونا تمھیں پسند نہ ہو۔ اور کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔ اگر ایسا ہو تو اللہ کی اجازت سے انھیں جدا کرسکتے ہو۔ ان کو ایسی بدنی سزا دو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔ پھر اگر وہ باز آجائیں اور تمھاری اطاعت میں چلیں تو ان کا نان نفقہ تمھارے ذمّے ہے۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے۔ سو خواتین کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ اور بھلے طریقے سے ان کی تربیت کرو۔

۱۸ : اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے اس کے بھائی کا مال (لینا) اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے۔

۱۹ : آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ! تو خود بھی گواہ رہیو۔

۲۰ : سو میرے بعد کہیں (اخوت ترک کرکے) پھر کافرانہ ڈھنگ اختیار کرکے ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا۔

۲۱ : میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ جب تک اس پر کاربند رہوگے، کبھی راہ راست سے نہ ہٹوگے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب 'قرآن'

۲۲ : آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ! تو خود بھی گواہ رہیو۔

۲۳ : اے لوگو! تمھارا رب ایک ہی ہے اور تمھارا ابوالآباء بھی ایک ہی ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں

Marfat.com

زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ کسی عربی کو عجمی کے مقابلے میں برتری حاصل نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کے لیے عربی کے مقابلے میں کوئی برتری ہے۔

۲۴ : اور تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اب تم بتاؤ کیا کہو گے۔ لوگوں نے پکار کر عرض کیا کہ آپؐ نے پیغام پہنچادیا۔ امت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کیا۔ حقیقت سے سارے پردے اٹھادئے اور امانتِ الٰہی کو کما حقہٗ ہم تک پہنچادیا۔

۲۵ : اے لوگو! گواہ رہو! اے اللہ! گواہ رہیو!! اے اللہ گواہ رہیو!!!

۲۶ : جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچادیں۔ ممکن ہے بعض سامعین کے مقابلے میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھیں اور ان کی حفاظت کریں۔

۲۷ : اے لوگو! اللہ نے میراث میں سے ہر وارث کے لیے ثابت کردہ حصّہ مقرر کردیا ہے اور ایک تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۸ : بچّہ اس کا ہے جس کے بستر پر (نکاح میں) پیدا ہو۔ بدکار کے لیے پتھر۔

۲۹ : جس نے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا، یا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اسے قیامت کے دن کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہوگا۔

تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اور اس کی رحمتیں نازل ہوں۔

عین اسی وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نبوت کا یہ آخری فرض ادا کررہے تھے تو بارگاہِ الٰہی سے بشارت آئی " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو پورا کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کا دین چن لیا۔

یہ بشارت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اب رسول نازنینؐ خالق

Marfat.com

حقیقی سے جاملنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ نے اذان دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ کیا ہی عجیب منظر تھا کہ آج سے ۲۲ برس پہلے جب آنحضورؐ نے ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی تھی تو آپؐ اور آپؐ کے چند ساتھیوں کے سوا کوئی گردن خدا کے آگے خم نہ تھی اور آج ۲۲ برس کے بعد آنحضورؐ کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد گردنیں خدا کے حضور میں جھک گئیں اور اللہ اکبر کا بلند نعرہ پوری شان کے ساتھ بلند پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج اٹھا۔ اللھم صل علی محمدؐ۔

خطبہ منیٰ

خطبہ عرفات کے بعد خطبہ منیٰ ملاحظہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! میرے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت برپا کی جانے والی ہے۔ پس غور سے سنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ نماز پنجگانہ قائم کرتے رہو۔ اپنے رب کے حرم پاک کا حج کرتے رہو اور اپنے امرآ اور حکام کی اطاعت پر کاربند رہو تاکہ اپنے رب کی جنت میں جگہ پاسکو۔"

حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم (ایک تالاب) کے مقام پر ایک خاص خطاب خاص رفقاء سے کیا۔ فرمایا کہ "میں ایک بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد آجائے۔ بلاوا ہو اور میں لبیک کہوں میں ذمہ داری کے دو بوجھ تمہارے اندر چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک خدا کی کتاب ہے جس میں ضابطہ حیات اور حکمت ہے۔ سو خدا کی کتاب تھام لو اور اسی سے رہنمائی حاصل کرو۔ اور دوسرے میرے گھر کے لوگ ہیں۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بارے میں تمہیں خدا ہی کی یاد دلاتا ہوں۔"

Marfat.com

اس خطاب سے رفقاء کی آنکھیں پرنم ہوتیں اور عہد کیا کہ جیسا ہمارے محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، سو فی صدی اس کی تعمیل ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ دو خطبات میں حضور پاکؐ نے امت کے سامنے ایک مکمل منشور پیش فرمایا جو صرف امت ہی کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے سب لوگوں کے لیے یکساں طور پر فائدہ مند ہے اور اس پر عمل کر کے مکمل اور پاکیزہ زندگی بسر ہو سکتی ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی اور جہنم کی آگ سے نجات مل سکتی ہے۔

اس پاکیزہ مشن کو آگے چلانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فعال اور پرخلوص افراد پیدا کیے، جن میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے۔ یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ انسانیت کے مرقع میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ دلکش اور حسین و جمیل تصویر نہیں ملتی۔ ان کی شجاعت، ان کا یقین محکم، سچا اور پرخلوص دل، دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل و انصاف، بے تکلف زندگی، خدا ترسی، پاکبازی اور ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ کردار کی چند ایک مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک روز امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زوجہ نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب ملا کہ میرے پاس گنجائش نہیں۔ انھوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روز مرہ سے کچھ درہم بچا لوں، فرمایا ہاں بچا لو۔ کچھ روز میں چند درہم جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ کو دیئے کہ شیرینی لاؤ۔ امیر المومنین کو معلوم ہوا کہ چند درہم روز مرہ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا وہ درہم بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کیے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کیا۔ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(اقبالؒ)

۲۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو حکومت دی اور خود

Marfat.com

ایلہ کو روانہ ہوئے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے سواری اپنے غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تو انھیں سے پوچھتے رہتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ تو فرماتے تمھارے سامنے۔ اسی حالت میں ایلہ آئے۔ دو ایک روز قیام کیا، کرتہ جو زیب تن تھا کجاوے سے رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لیے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا "اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔"

اندازہ کیجیے کہ حکمران ہونے کے باوجود کس قدر سادگی تھی۔ لباس کی آراستگی کو بے معنی سمجھتے تھے جب دل و دماغ میں اپنے رہنمائے اعظمؐ کی حیاتِ طیبہ کا تصور ہر لمحہ چھایا رہتا تھا۔

دنیا کے غیر مسلم رہنماؤں اور مفکروں نے بھی انصاف پسندی سے کام لے کر متذکرہ صدر دو امیر المومنینوں کی سیاست اور عدل و انصاف کا اعتراف کیا ہے برصغیر کے رہنما مہاتما گاندھی کا وہ ہدایت نامہ ابھی تک لوگوں کو یاد ہوگا جو انھوں نے اپنے کانگریسی وزرا کو لکھا تھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسی حکومت کرو اور چند ہندوؤں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ہندو مصلحین میں سے کسی کا نام کیوں نہیں لیا تو گاندھی نے جواب دیا کہ "زمانہ تاریخ میں مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی حکومت سے بہتر کوئی حکومت دیکھنے میں نہیں آئی۔"

۲: حضرت عثمان غنیؓ نے مال و دولت کا صحیح مطلب لیا کہ اس کا مالک مال و دولت اپنے پاس رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ صرف اس کا امین ہے۔ مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا بے دریغ لوگوں کی فلاح اور اسلام کی ضرورتوں کے لیے خرچ کرتے رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اکیلے نوسو اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے۔ آپؓ کو جامع القرآن ہونے کے علاوہ ذوالنورین ہونے کی سعادت بھی ملی تھی۔ مگر اس جاہ کی موجودگی میں بھی آپؓ سادگی پسند

Marfat.com

فرماتے تھے۔

۴ : سیدنا حضرت علیؓ ابن طالب بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمّت، بڑے طاقتور اور بڑے شیریں کلام تھے۔ جچی تلی گفتگو فرماتے، حق و انصاف کے مطابق فیصلہ دیتے، زبان سے علم کا چشمہ ابلتا، ان کی ہر ادا سے حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہار دنیا سے بیزار، تاریکی میں خوش رہتے۔ خوف خدا سے آنکھیں پُرنم، ہر وقت سوچ و فکر میں مبتلا، لباس وہ مرغوب جو سادہ اور موٹا ہو، غذا وہ مرغوب جو سادہ اور غریبانہ ہو، غرض کوئی بھی امتیازی شان ناپسند تھی۔

سنت رسولؐ کے مطابق سلام اور مزاج پرسی میں پہل کرتے، لیکن قرب و مساوات اور عجز و انکساری کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ کسی کو بات کرنے کی ہمّت نہ پڑتی اور سلسلۂ کلام کا آغاز کرنا مشکل ہوتا، مگر کمزور کو ہمیشہ عدل و انصاف کا بھروسہ تھا۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی آپؐ کا مستقل معجزہ ہے۔ ان کی علمی، عملی اور اخلاقی کایا پلٹ تو بلاشبہ معجزہ ہی ہو سکتی ہے۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور خوش آیند معاشرہ صرف صاحب نبوت کا تیار کردہ ہے۔ اور قلب کے بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی اور پاکبازی کی محبت، شرک و کثافت سے بیزاری غرض سب صلاحیتیں اسی سرچشمہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ نبوت کا کارنامہ ہے کہ دنیا کو وہ افراد عطا کیے جو خود راہ راست پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کے مقاصد سے واقف ہیں۔ اپنے خالق مطلق سے آشنا ہیں۔ اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

وصال ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ

حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات کو اس دنیا

Marfat.com

میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ نبوت کا کام مکمل ہو اور توحید کی روشنی سے دنیا کی تاریکیاں نور میں بدل جاتیں' اب جبکہ یہ کام مکمل ہوا اور اس کو چلانے والے بھی تیار ہوئے تو خالق حقیقی سے جا ملنے کا حکم آیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرما کر خدا کے احکام (تقریباً ایک منشور کی صورت میں) سے مطلع فرمایا اور اسی میں آخری سفر کا اشارہ بھی فرمایا۔ حج کے سفر سے واپس آنے کے دو ماہ بعد حضور انورؐ نے اُن مسلمانوں سے بھی رخصت ہونا چاہا جو جام شہادت نوش کر کے حیات ابدی پا چکے تھے۔ چنانچہ اُحد جا کر آپؐ نے شہدا کے لیے دعا فرمائی اور ان کو اس طرح رخصت کیا جیسے مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے۔ واپس تشریف لائے اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

"لوگو! میں تم سے پہلے رخصت ہونیوالا ہوں اور خدا کے سامنے تمہارے متعلق شہادت دینے والا ہوں۔ میں حوضِ کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں، مجھے سلطنتوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد شرک کرنے لگو گے، البتہ خدشہ یہ ہے کہ کہیں دنیوی کشمکش میں پھنس کر ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ پہلی قومیں اسی طرح برباد ہوئی ہیں۔ (اصحاب کبارؓ کی شہادت، معرکہ کربلا، ایران عراق کی جنگ، لبنان اور افغانستان کی خانہ جنگیاں پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتی ہیں۔

پھر آپؐ آدھی رات کو مسلمانوں کے عام قبرستان (جنت البقیع) تشریف لے گئے اور اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت مانگی۔ جنت البقیع سے تشریف لائے تو طبیعت ناساز ہوئی۔ ماہ صفر ۱۱ھ میں آخری سہ شنبہ کا دن تھا اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا۔ پانچ دن تک اس بیماری کی حالت میں بھی باری باری ایک زوجہ مطہرہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ پیر کے دن بیماری زیادہ بڑھی تو تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر

Marfat.com

قیام فرمائیں ۔ کمزوری اس قدر تھی کہ بے سہارا چلنا بہت مشکل تھا۔ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بازو تھام کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں لائے ۔

جب تک آنے جانے کی کچھ طاقت رہی مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے ۔ سب سے آخری بار آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ عشاء کا وقت آیا تو فرمایا "نماز ہو چکی؟" لوگوں نے عرض کیا کہ حضورؐ کا انتظار ہے۔ غسل فرمایا۔ اٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ ذرا افاقہ ہوا تو پھر پوچھا۔ نماز ہو چکی ؟ وہی جواب ملا کہ حضورؐ کا انتظار ہے۔ یہی عمل دوبارہ ہوا مگر نماز پڑھانے کی طاقت نہ رہی تو فرمایا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں ۔

وفات کے چار روز قبل طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا تو ظہر کے وقت غسل فرمایا اور حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے آپ مسجد شریف میں تشریف لائے جماعت کھڑی تھی، حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے ۔ آہٹ پاکر انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ نے روک لیا اور اُن کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد مختصر سا خطبہ دیا اور فرمایا۔ "خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو کچھ ہے اس کو قبول کرے ۔ لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں" واہ! کیا انتخاب تھا!

یہ خطبہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے کیونکہ سمجھ چکے تھے کہ وہ بندہ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے ۔

نماز کی جماعت میں شرکت سے جب معذوری ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امامت پر مامور فرمایا۔ مرض کی شدت بڑھنے سے ساری جماعت میں بے چینی پیدا ہوئی ۔ تسکین دہانی کے لیے حضرت علی اور حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر پائے مبارک گھسیٹتے ہوئے مسجد میں تشریف لاتے اور منبر کے آخری زینے پر بیٹھ کر آخری خطاب یہ فرمایا "لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو۔ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی

Marfat.com

خدا سے ملنے والے ہو۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین آپس میں حسن سلوک کریں۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ بھلائی کرو، انھوں نے تم سے پہلے مدینہ کو اپنا وطن بنایا اور ایمان کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ کیا انھوں نے پھلوں میں تم کو اپنا شریک نہ بنایا؟ کیا انھوں نے تمھاری خاطر اپنے مکانوں کو وسعت نہ دی؟ کیا انھوں نے باوجود احتیاج کے تم کو اپنے اوپر ترجیح نہ دی؟ سنو کہ میں پہلے جاتا ہوں اور تم بھی مجھ سے آملو گے۔ حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔"

خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ ایسی ہی حالت میں یاد آگیا کہ عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا۔ "عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔"

بروز پیر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ مزاج اقدس نے آخری بار کچھ سنبھالا لیا۔ مسواک کی۔ مسجد کا پردہ اٹھا کر دیکھا کہ صحابہ حضرات فجر کی نماز میں مشغول تھے۔ دیکھ کر مسکرائے کہ خدا کی زمین میں آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا جو رسولؐ کی تعلیم کا نمونہ بن کر خدا کی یاد میں لگا ہے۔

اس کے چند ہی لمحات کے بعد اللّٰہم رفیق الاعلیٰ تین بار فرمایا اور حضرت عائشہؓ کی آغوش میں سر رکھے رکھے خدائے حی القیوم سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن

آج وہ لاثانی اور عظیم ہستی صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا سے رخصت ہو رہی تھی۔ جس نے انسانیت کو حیات نَو سے مالامال کیا اور جس نے آدم علیہ السّلام کی اولاد کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلامی روشنی کی کرنوں سے پُرنور کیا۔ غلط کاروں کو راہ راست پر لا کھڑا کیا۔ جس نے دلاورانہ انداز سے آلام و مصائب کا سامنا کیا۔ دوست تو دوست رہے، دشمنوں کو بھی دکھ نہ دیا۔ جس نے عربی عجمی اور گورے کالے کی تمیز کو مٹا دیا۔ خود بھوکے رہے مگر بھوکوں کو کھلایا۔ جس نے جو مانگا

موجود ہوا تو دے دیا۔ ورنہ ادھار لے کر محتاج کی حاجت روائی کی۔ جو فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ، یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ تھا۔ جس نے ایک پاکیزہ تمدن کو وجود دیا۔ جن کو خدا نے درود سے نوازا اور کبھی بھی تنہا نہ چھوڑا۔ غزوات میں فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی اور جن کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی رہیں۔ یا اللہ! اتنے احسانات کے بدلے اس عاجز امت کے پاس کیا کچھ ہے جو حضورؐ کی خدمت میں پیش کر سکے۔ تجھ سے درخواست ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بلند تر سے بلند ترین کر۔ ہمارے پاس درود کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یا اللہ امت محمدیؐ کو توفیق بخش کہ حضورؐ کی سنت کو قائم رکھ سکیں۔

مِن وَجہِہٖ شمسُ الضُّحیٰ   مِن خَدِّہٖ بَدرُ الدُّجیٰ

مِن ذَاتِہٖ نورُ الھُدیٰ   من کفہٖ خیراً لھمم

یا اَیُّھَا الشَّائقونَ بِنورِ جَمالِہٖ صَلّوا عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلِّموا تَسلِیماً۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلیٰ اِبرَاھِیمَ وَعَلیٰ اٰلِ اِبرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکتَ عَلیٰ اِبرَاھِیمَ وَعَلیٰ آلِ اِبرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

لَا یُمکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا حَقُّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(حضرت جامیؒ)

Marfat.com

حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عنایت فرمائی ہُوئی چند حسین اقدار

۱۔ خُلقِ عظیم۔ معدنِ جود والکرم :

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بلند ترین درجہ پر تھے۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ جواب ملا، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے، وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے آپؐ کی حیاتِ طیبہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔"

حضورؐ نہایت حلیم الطبع، مہربان اور رحم دل تھے۔ آپؐ نہایت سخی، فیاض اور محبّت سے پیش آنے والے تھے۔ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے، مہمان کا استقبال خندہ روئی اور مسکراہٹ کے ساتھ فرماتے تھے۔ مہمانوں میں مسلم اور مشرک سب ہوتے تھے۔

زندگی بھر اپنے ملازم سے کبھی نہ پوچھا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔ اور اپنے ملازم کو پوشاک اور غذا کے لحاظ سے اپنے برابر رکھا۔ یہ حضرت انسؓ کا اپنا بیان ہے۔

حضورؐ بیماروں کو تسلی دیتے، ان کو دیکھنے تشریف لے جاتے، اور اس میں دوست دشمن، مومن اور مشرک کی کوئی قید نہ تھی۔ یہودی مہمان نے ناپاکی سے بستر غلیظ کر دیا تو اپنے دستِ مبارک سے دھو لیا اور کنیز سے فرمایا کہ مہمان میرا تھا۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ کرنے والوں سے بھی کوئی انتقام نہ لیا۔ ایک بار

Marfat.com

ایک شخص قتل کے ارادے سے آیا۔ صحابہؓ اسے گرفتار کر لائے۔ وہ ڈر گیا۔ حضورؐ نے فرمایا "ڈرو نہیں۔ اگر تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے"۔

ہبار بن الاسود جو ایک طرح سے حضرت زینبؓ کا قاتل تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر اس نے بھاگنا چاہا۔ لیکن وہ سیدھے رحمت عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کے رحم و کرم اور جود و سخا کی یاد دلا کر وجہ آمد ظاہر کی تو حضورؐ نے معاف فرمایا۔

خطا کار سے درگذر کرنے والا

بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں سادگی کا یہ حال تھا کہ جن کپڑوں میں وفات پائی ان میں بھی اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ کو خشک مزاجی اور روکھا پن پسند نہ تھا۔ مزاج شریف میں مزاح کا عنصر موجود تھا۔ ایک بار ایک بڑھیا آئی اور جنت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ بوڑھی مستورات جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ مایوس ہوئی اور واپس چلی گئی۔ حضورؐ نے لوگوں سے کہا کہ اسے کہہ دو بوڑھیاں جوان ہو کر جنت میں جائیں گی۔

چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے حضورؐ ہر حال میں یاد الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ ایک بار پیارے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما نے سواری لینے کی خواہش ظاہر کی۔ دونوں صاحبزادے اپنے پیارے نانا جیؐ پر سوار ہوئے اور گیسوئے مبارک کو لگام بنایا۔ بچوں نے اونٹ کی عف عف کی آواز کا مطالبہ کیا۔ حضور پاکؐ سجدے میں آکر یاعفو، یاعفو پڑھتے رہے۔ پیارے نواسےؓ تو خوش ہوئے مگر حضورؐ نے اس کھیل کو عبادت میں بدل دیا۔ آپ کی نمازوں میں عجز، صبر اور خشوع و خضوع کی کبھی کمی نہیں ہوتی تھی۔ چشمانِ مبارک ہر نماز پر پُرنم ہوتی تھیں۔

اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ

Marfat.com

۲۔ کردار :

حضرت رسول اکرمؐ دشمنانِ اسلام کی برائیوں پر تنقید فرماتے تھے جن میں اس وقت کا معاشرہ مبتلا تھا۔ ان کی ایک ایک عیب پر حضورؐ گرفت فرماتے تھے، مگر یہ امر واقعہ ہے کہ آپؐ کو جھٹلانے پر جو لوگ تلے ہوتے تھے، ان میں سے کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملا کہ "آپؐ جن برائیوں سے ہمیں روک رہے ہو وہ آپؐ کی زندگی میں موجود ہیں۔ یا جن بھلائیوں کی طرف آپؐ ہمیں دعوت دے رہے ہیں۔ ان پر آپ خود عمل پیرا نہیں ہیں۔"

آپؐ کی صداقت اور امانت داری کے تو آپؐ کے دشمن بھی معترف تھے۔ نبوت سے پہلے چالیس برس کی زندگی بھی بے داغ تھی۔ اس زمانے میں حضورؐ لوگوں کی بے راہ رَوی سے بیزار تھے اور ملوث معاشرے اور ماحول سے دامن بچانے کی خاطر آبادی سے دُور غار حرا میں جاکر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں محو اور مگن ہو کر معاشرے کی کثافتوں کو دُور کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہے۔ اور اس تلاش میں ظفریاب ہوئے۔

۳۔ سیاست :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیاست اور تدبّر کا ایک اہم پہلو ہے کہ آپؐ جن اصولوں کے داعی بنے وہ فرد، معاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے۔ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطے میں آتا تھا۔ لیکن آپؐ نے کسی اصول کے معاملے میں کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ نہ دشمن کے مقابل نہ دوست کے مقابل میں آپ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی اصول کے معاملے میں سخت سے سخت حالات کا سابقہ پیش آنے کے باوجود کوئی سمجھوتہ گوارا نہ فرمایا۔

حضورؐ کی سیاست اس اعتبار سے دنیا کے لیے ایک بے نظیر نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ اور

اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ سبق دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے۔ بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلے میں ایک صاحبِ اقتدار کے جھوٹ کو کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔

آنحضورؐ کو سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل پیش آئے جو اس میں متوقع ہو سکتے ہیں۔ آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا اور قریب قریب اتنی ہی مدت اقتدار میں گزاری۔ اس دوران میں آپ کو دوستوں اور دشمنوں دونوں سے واسطہ پڑا۔ سیاسی اور اقتصادی معاہدے کرنے پڑے۔ وفود کا سامنا ہوا اور مکاتیب ارسال کرنے پڑے۔ اور یہ سارے کام آپؐ نے خوش اسلوبی اور احسن طور سے نبھائے۔ مگر کسی معاہدے کی ذرہ بھر خلاف ورزی نہیں فرمائی۔ دشمنوں کے ساتھ بدترین حالات میں بھی انصاف فرمایا۔ گویا اس کسوٹی پر اگر کوئی پورا اترا تو وہ آپؐ کی ذات اقدس تھی۔

حضورؐ کے تدبیر کا یہ بھی ایک اعجاز تھا کہ عرب جیسے جہالت میں پڑے ہوئے ملک کے ایک ایک گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کی۔ دشمنوں کا زور اس طرح توڑا کہ فتح مکّہ کے موقع پر انھوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور جانی نقصان بجز چند اوباشوں کے نہیں ہوا۔ اس سیاست اور دور اندیشی کا ایک نمایاں نمونہ صلح حدیبیہ ہے جس کا مفصّل ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت چاہا کہ تصادم سے بچ کر تعمیری کام ہو۔ حصول جاہ و مال کے بجائے محض حق و صداقت کا فروغ ہو۔ بزورِ شمشیر اپنا اثر پیدا کرنے کے بجائے دلیل اور اخلاق سے اثر پیدا ہو۔ انتقام کے بجائے درگزر سے اور تشدّد کے بجائے لطف و احسان سے کام لیا جائے۔ خون بہانے والی تلوار کے بجائے معاہدات لکھنے والے قلم سے مسائل کو حل کرنے کو ترجیح دی جائے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ آج کا انسان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شرمندۂ احسان ہے کہ ہمیں زندگی کے جو زرّیں اصول، تہذیبی اقدار اور اخلاقی روایات دربارِ رسولؐ سے ملی ہیں اور جو نمونہ آپؐ کے ذریعہ ہمارے سامنے آیا ہے اور جو تمدّن کا بہترین متوازن نظام آپؐ نے تعمیر فرمایا ہے ہم شاید ان نعمتوں کا پورا استفادہ نہیں کر سکتے اگر حضورؐ کے تیار کردہ رفقاء نے مقدس نصب العین کی خاطر اپنی جانیں قربان نہ کی ہوتیں۔ وہ شمع اسلام اور بانیٔ اسلام کے متوالے پروانے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خزینۂ علم و حکمت سے سرفراز ہو کر تعلیم و تربیت کے انداز سیکھ چکے تھے۔ وہ خود سابقہ اخلاقی بیماریوں سے شفایاب ہی نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے لیے بھی مسیحا ثابت ہوئے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور علم و حکمت سے عرب کے وہ جاہل لوگ مستفید ہوئے جو اعتقادی، علمی، عملی، اخلاقی اور تمدنی صفات سے بالکل عاری تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کردہ اصحابؓ چلتے پھرتے معجزے تھے۔ انھوں نے اس مشن کو آگے بڑھایا کہ آج چوبیس گھنٹے اسلامی عبادات ہو رہی ہیں کیونکہ مغرب و مشرق اور شمال و جنوب میں ہر طرف سے اذان سنائی دیتی ہے۔ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اسلام کا نور نہ پھیلا ہو۔

دارِ ارقم کو اسلام کا سب سے بڑا مدرسہ یا سب سے بڑی خانقاہ کہیے۔ اسی میں اس قدسی گروہ کی ابتدا ہوئی اور اسی میں ان پر اللہ کا رنگ چڑھا جو کسی اور رنگ سے مرعوب نہیں ہوتا ہے۔ اور یہی اسلام کا پہلا سرمایہ اور اصلی طاقت ہے۔ جس نے برق رفتاری سے ساری دنیا کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے

جب انسان کی زندگی کا جہاز کسی بھنور میں پھنس جاتا ہے یا جب اس پر کوئی

Marfat.com

نازک لمحہ آجاتا ہے ۔ وہ تمام باطل اور بے بھروسہ چیزوں کو بھول کر اور بے اختیار ہو کر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر مدد کے لیے پکارتا ہے ۔ یہ تجربہ کبھی نہ کبھی ہر شخص کی زندگی میں پیش آتا ہے ۔ یہ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی نعم الوکیل اور نعم النصیر ہے ۔ بس اسی کا دین اپنانا چاہیئے ۔ انسان فلاح کی تلاش میں نکلتا ہے ۔ مگر فلاح کا سرچشمہ رب العالمین کی ذاتِ بابرکات ہے ۔ بس کامیاب وہی ہے جو اللہ کی رسی کو تھام لے اور اسے اپنے سجدے میں پالے ۔ اصلی سجدہ وہ ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کو سامنے لا کر مصنوعی خداؤں بلکہ ہر چیز کو بھول کر کیا جائے ۔ اور "وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا" کا مفہوم زیر نظر ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا دینِ اکمل یعنی اسلام وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے انسان اپنے ظرف کے مطابق علم و حکمت کی روشنی حاصل کرتا ہے ۔ اسلام ہمارے احساسات اور تصوّرات کا ترجمان ہے ۔ یہ دین فطرت انسان کو ہر قسم کی فکری اور اخلاقی گمراہیوں سے نجات دے کر اسے صحیح فکر و نظر اور پاکیزہ ترین ذوق و احساس سے آشنا کرتا ہے ۔ وہ انسان کی فکری، تحقیقی اور علمی صلاحیتوں کو سلب نہیں کرتا بلکہ ذہن و فکر کے ارتقائی مراحل میں انسان کی پوری رہنمائی کرتا ہے ۔ کیونکہ اس کے سامنے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارالعلم کی حیثیت سے اور کتاب اللہ علم و حکمت کے عمیق خزانے کی حیثیت سے موجود ہے ۔ قرآن میں زندگی کے تمام رہنما اصول موجود ہیں ۔ اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں ہدایات موجود نہ ہوں ۔ اس دین فطرت کے بنیادی ارکانِ خمسہ زندگی کو وہ نظام مہیّا کرتے ہیں جو اس کو راہِ راست پر لا کھڑا کرتا ہے ۔

ارکان خمسہ کو بیان کرتے وقت میرا مقصد فرض و سنّت اور واجبات کا ذکر کرنا نہیں ہے ۔ بلکہ اختصار کے ساتھ ہر رکن کی فطری خصوصیات کا ذکر کرنا مطلوب ہے ۔ ان ارکان پر عمل کرتے وقت جن باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور جو باتیں دورانِ عمل حاصل ہوتی ہیں یہ ہیں :- (۱) نیت (۲) طہارت (۳) اجتماع

Marfat.com

(۴) مساوات (۵) پابندیٔ وقت (۶) مشاورت (۷) آخری لباس ۔

نیّت

عمل کا صالح ہونا یا ناقص ہونا نیت پر منحصر ہے ۔ جیسی نیت ویسا پھل ۔ نیت ٹھیک نہ ہو تو عمل بے کار ہے ۔ جناب شیخ سعدی شیرازیؒ نے اس کی تشریح نہایت ہی خوبصورت انداز سے کی ہے ۔ ؎

دو کس چاہ کنند از پئے خاص و عام
یکے نیک محضر، دگر زشت نام
یکے تا کند تشنہ را تازہ حلق
دگر تا بہ گردن در افتد خلق

(سعدی)

کام تو ایک ہی ہے مگر نیت جُدا جُدا ہے اور نیت کی بنا پر ایک ثواب کر رہا ہے اور ایک گناہ ۔ نیک آدمی اس خیال سے کنواں کھودتا ہے کہ پیاسا حلق کو تر کر کے پیاس بجھائے اور بد نیت اس خیال سے کھود رہا ہے کہ جو بھی آجائے سر کے بل اس کنویں میں گر جائے ۔ اسی لیے (۱) تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے ۔ (۲) روزہ رکھنے کے لیے نیت (۳) غسل اور وضو کرنے کے لیے نیت (۴) صدقہ کی نیت (۵) قربانی دینے کی نیت ۔ غرض ہمارے ہر عمل صالح سے پہلے نیت کا خیال رکھنا ضروری ہے اور نیت ہمیشہ مثبت ہونی چاہیئے ۔

طہارت

ہر رکنِ اسلام طہارت کا تقاضا کرتا ہے ۔ نماز کے وقت جگہ کا پاک ہونا اور

Marfat.com

لباس کا پاک ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کا پاک ہونا ہے۔ اسی لیے وضو سے پہلے مسواک کرنا سنّت ہے اور جسمانی ثواب کے علاوہ ثواب بہت ہے۔ جگہ، جسم اور لباس کی پاکیزگی کے علاوہ دل کی پاکیزگی کا خیال رکھنا کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ جھوٹ' بدنیتی' غیبت' بدخواہی' فحش خیالات وغیرہ دل کی کثافتیں ہیں۔ ان کو ترک کر کے دل کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ آپ اپنے مال کو زکوٰۃ دیکر اور سودی کمائی ترک کر کے پاک کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ قدرے مشکل تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ صرف مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ جو مثبت نصب العین یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ ؎

جسم کو مَل مَل کے دھونا' یہ تو کچھ مشکل نہیں
دل کو جو دھوتے وہی ہے پاک نزدِ کردگار

اجتماع' مساوات' پابندیٔ وقت اور آخری لباس کا تذکرہ دورانِ تذکرۂ ارکان خمسہ اختصار کے ساتھ کیا جائے گا۔

ارکانِ خمسہ

اسلام کا پہلا رکن : توحید

اسلامی توحید کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کائنات کا خالق ایک ہے اسی طرح اس کا مالک بھی ایک ہی ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح وہ ہستی بھی وہی ایک ہے جس کے سامنے روز محشر پر انسان اپنے اعمال کا جواب دہ ہو گا۔ اور اپنے اعمال کے مطابق اس کے ہاں جزا اور سزا پانے والا ہے۔

کائنات جس طرح اپنے خالق اور مالک کے تابع ہے وہی عمل انسان سے بھی مطلوب ہے۔ جو اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اس کائنات کا ایک حقیر حصّہ ہے۔ انسان کے لیے درست طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ اس حقیقت واقعہ کو تسلیم کر کے

Marfat.com

اور خدا کی اطاعت قبول کر کے بقیہ کائنات کا ہم سفر ہو جائے۔ خدا جس طرح ساری کائنات کو سنبھالے ہوتے ہے" اسی طرح انسان کے معاملات بھی اسی وقت سدھر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر چکا ہو۔

جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کا حکم بردار بنائیں گے وہی اللہ کے نزدیک اس قابل تصوّر ہوں گے کہ اللہ کی دنیا کے شہری ہو سکیں۔ یعنی وہ اپنے ذاتی ارادہ کو مکمّل طور پر خدا کے تابع کر دے اور وہی کرے جو اس کا مالک اسے کرانا چاہتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں" اس کی آنکھیں اور زبان اور اس کا دل و دماغ سب آگے کے آگے اسی طرح جھکے ہوتے ہوں کہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی فعل ان سے سرزد نہ ہو۔

کلمۂ طیّب : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

یہ کلمہ اللہ تعالٰے کی وحدانیت کو ظاہر کر کے مصنوعی خداؤں کی نفی کرتا ہے۔ یہ کلمہ مسلمانوں کو یکسوئی کا درس دیتا ہے جو اس کی زندگی کو پاکیزہ اور کامیاب اور آخرت میں سرخرو بناتا ہے۔

ہم ظاہری طور پر خدا کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور سجدے میں زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ یہ بات اگر ہمارے ذہن پر رہے تو ہر وقت ہمارے اعمال نیک اور صالح ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک ذکر الٰہی کا تعلق ہے کلمۂ طیّب افضل الذکر ہے۔

اسلام کا دوسرا رکن : نماز

روزِ محشر چوں جاں گداز بود
اوّلیں پرسش نماز بود

نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ روزانہ دن اور رات میں پانچ وقت مقررہ

انداز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا یہ انداز اتنا جامع ہے کہ اس سے بہتر عبادتی انداز کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وقت ہوا تو اذان ہوئی کہ نماز کا وقت آگیا۔ اپنی فلاح کے لیے مسجد میں جمع ہو جاؤ۔ لوگ وضو کر کے اپنی پاکی اور طہارت کا احساس تازہ کرتے ہیں۔ دوڑ دوڑ کے مسجد کی طرف جاتے ہیں اور ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ قیام، رکوع و سجود کی مختلف حالتوں میں خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ کبھی دست بستہ کھڑے ہو کر، کبھی جھک کر، کبھی نیاز مندانہ انداز میں بیٹھ کر اور کبھی اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر خدا کے ساتھ اپنی عہد بندی کو تازہ کرتا ہے۔ قرآن پڑھتے وقت نماز میں خدا کی حمد اور ذکر کے کلمات بولے جاتے ہیں۔ عہد بندی یہ کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ جب نماز ختم ہوتی ہے تو تمام لوگوں اور فرشتوں کو جو دائیں بائیں ہوں، سلامتی بھیجتے ہیں۔

نماز ایک خصوصی عبادت کا نام ہے۔ اللہ اکبر بار بار دہرایا جاتا ہے کہ خدا کی مطلق کبریائی کا لسانی اقرار ہو۔ سجدے میں اگر خدا کے نزدیک ترین ہونے کے ساتھ اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کم مائیگی کے احساس کے باوجود الصلوٰۃ معراج المومنین کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ رہے نماز کے مذہبی پہلو۔ غور کریں تو اس میں اسلام کی اور گراں بہا اقدار بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر خاموش رہنا ہمیں نظم و ضبط اور قائد کی پیروی کا درس دیتا ہے۔ صفوں میں کھڑے ہو کر اسلامی اخوت کی عملی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ پاؤں سے پاؤں ملا کر اور کندھے سے کندھا ملا کر ہمارے دل بھی مل جاتے ہیں۔ امیر و غریب اور رنگ و نسل کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ ڈسپلن کا منظر ہے کہ ایک امام کے پیچھے ہزاروں لوگوں میں قائد نماز کی آواز کے سوا دوسری کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ دنیا اس ڈسپلن کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں دل و دماغ، زبان اور جسم کے باقی سب

Marfat.com

اعضاء برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اور لاشعوری طور پر جسمانی ورزش بھی ہوتی ہے۔ قیام میں پٹھوں کی ورزش اور رکوع میں کمر کی ورزش ہوتی ہے۔ سجدے میں آکر خون سر کی طرف دوڑتا ہے اور دماغی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔ التحیات پھر ہمیں نظم وضبط سکھاتا ہے کہ قائد (جو صادق ہو) کی تقلید کس طرح ہونی چاہیئے۔ امام کا احترام اور قرآن کا تقدس ذہن میں لاکر نماز کی قبولیت یقینی بن جاتی ہے۔

سلام پھیرتے وقت گردن کو دن میں کم از کم گیارہ بار (نوافل کو چھوڑ کر) دائیں بائیں لانا پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک مفید ورزش ہے جس سے گردن کی بیماری (گردن کا منجمد ہونا) کبھی نزدیک نہیں آتی ہے۔ آج تک کسی باقاعدہ نمازی کو اس بیماری کی شکایت نہیں ہوئی ہے۔

سلام پھیرتے وقت ایسا لگتا ہے کہ نماز سے آزادی ہوئی۔ پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ سلام کے بعد دو وعدوں اور ایک دعا کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یعنی (اے خدا!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے سوا کسی اور سے مدد نہیں مانوں گا۔ اور (دعا) مجھے راہ راست پر چلنے کی ہدایت بخش۔ غرض نماز سے لیکر نماز تک صراط المستقیم کو نہیں چھوڑنا ہے۔ اور مصنوعی خداؤں کے سامنے نہیں جھکنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سماجی طور پر نماز سے مساوات، نظم وضبط اور قائد کی اطاعت کا سبق ملتا ہے اور یہ باتیں پاکیزہ اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے بہت ضروری ہیں۔

نماز پنج گانہ کے علاوہ نماز کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ رات کے پچھلے پہر تہجد کی نماز، جمعہ اور عیدین کی نمازیں، حاجت اور استخارہ کی نمازیں۔ کامیابی کے شکریے کے لیے نماز، نماز جنازہ اور دیگر نوافل۔ یہ سب نمازیں اسی کیفیت کو مزید اضافہ کے ساتھ حاصل کرنے کی کاوشیں ہیں جو نماز پنج گانہ سے ہر روز مطلوب ہوتی ہیں۔ عمداً فرض نماز ترک کرنے سے ایمان کفر میں بدل جاتا ہے۔ پس

Marfat.com

نماز کو قائم رکھئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب قریب نزع کی حالت میں بھی ظہر کے وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد شریف میں تشریف لائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اسلام کا تیسرا رکن : روزہ

ماہ رمضان کا روزہ قرآن شریف کے نزول کی خوشی اور مسرت کا اظہار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں زندگی کا بہترین ہدایت نامہ قدر کی مبارک رات میں نازل فرمایا۔ اور روزہ رمضان اس کی ایک سالانہ یادگار ہے تاکہ اللہ جل شانہ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کریں اور پورا مہینہ اسی کیفیت میں گزاریں جس کیفیت میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزارا کرتے تھے۔ یعنی صبح سے شام تک۔ فجر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک۔ نہ کوئی کھانے کی چیز کھانا اور نہ پینے کی چیز پینا۔ اس طرح زندگی کی سب سے بڑی ضرورت کو چھوڑ کر انسان صبر کی تربیت حاصل کرتا ہے۔ بھوک ستاتی ہے، پیاس سے گلا خشک ہو جاتا ہے۔ کھانے اور پینے کی سب چیزیں آنکھوں کے سامنے ہیں مگر کسی چیز کو منہ نہیں لگاتا۔ ان مشکلات کے باوجود اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں لگا رہتا ہے تاکہ اس طرح آیندہ کی پابند اور ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے۔ یعنی جو کرنا جائز ہے وہ کرے اور جس کی ممانعت ہے وہ نہ کرے۔ اس طرح ہر حال میں اصل مقصد حیات یعنی رضائے الٰہی کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھے۔

مومن کی زندگی سرتاپا صبر کی زندگی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی جائز کی ہوئی چیزوں تک محدود رکھتا ہے۔ اور اس کی ممنوع کردہ چیزوں کی طرف دیکھنا تک پسند نہیں کرتا۔ ماہِ صیام میں تراویح اور شب بے داری خاص عبادات ہیں۔ کوئی بھی عمل صالح اس مہینے میں کرے تو عام مہینوں کے مقابل میں زیادہ

Marfat.com

ثواب حاصل ہوگا۔ شب قدر اسی مہینے میں آتی ہے اور یہ مبارک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس لیے اس رات کو کھو دینا بڑی بدقسمتی ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ خالص کھانا پینا چھوڑنے سے روزہ مکمل نہیں ہو سکتا جب تک جسم کے سب اعضا مثبت کام نہ کریں اور منفی اعمال سے گریز نہ کرے۔ یعنی آنکھیں برائی کی طرف راغب نہ ہوں، کان بری اور فحش باتیں نہ سنیں، ہاتھوں سے کوئی برا اور ناجائز عمل سرزد نہ ہو، پاؤں برے کاموں کی طرف نہ چلیں، زبان سے ناشائستہ باتیں اور جھوٹ نہ نکلے، دل میں اذکار اور شستہ باتیں بسیں اور اس طرح نفس مطمئنہ کی تکمیل ہو۔

دوسری بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ روزہ رکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ماہِ رمضان ختم ہوا اور نیک اعمال اور پرہیزگاری بھی ختم ہوئی۔ اصل میں یہ پاک مہینہ مومن کے لیے ایک ریفریشر کورس ہے جو ضبط نفس کی تربیت دیتا ہے۔ نفسِ امّارہ کو مارنا شیر نر کے مارنے سے زیادہ قابلِ قدر ہے۔ بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے سے یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان غریبوں اور محتاجوں کا کیا حال ہوگا جن کو کئی دنوں تک دو وقت کی سوکھی روٹی بھی میسّر نہیں ہوتی۔ اس طرح انسانی ہمدردی بھی بڑھ جاتی ہے۔ انسان میں حق العباد کے ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس عمل صالح سے وہ غریبوں کی پُراثر دعاؤں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی وقت کی پابندی کا عادی ہو کر اپنی زندگی کو کامیاب اور پاک بنا دیتا ہے۔ یا اللہ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق بخش (آمین)۔

اسلام کا چوتھا رکن : زکوٰۃ

زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کمائی اور دولت سے خرچ کرنے کے بعد اگر ایک سال تک کچھ بچت ہو جائے تو اس کا ڈھائی فیصد اللہ کے نام پر نکال کر دین کی ضرورتوں اور حاجتمندوں پر خرچ کیا جائے۔ زکوٰۃ نکالنے سے یاد دہانی

Marfat.com

ہوتی ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے اس کا مالک خدا ہے ۔ انسان اس مال و دولت کا اور جائداد کا خالص امین ہے ۔ اگر خدا نہ چاہے تو انسان کتنا بھی کچھ کرے اپنی مراد پوری نہیں کرسکتا۔ اور اگر ہر چیز خدا کی مانی جائے تو وہ خود اس کی حفاظت کرتا ہے اور نفع و نقصان دونوں صورتوں میں وہ خدا کا شکر گزار رہتا ہے۔ زکوٰۃ نکالنے سے مال میں برکت ہوتی ہے ۔ زکوٰۃ دینے والا مسلمان کبھی لالچی ہوکر ناجائز کمائی کی طرف راغب نہیں ہوتا ہے ۔ اسے ہمیشہ سکون قلب حاصل ہوتا ہے اور خدا نخواستہ اگر کوئی نقصان ہو تو زیادہ دُکھ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی امانت تھی ۔ وہی لے گیا۔

زکوٰۃ نکالنا حق العباد کے ادا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے ۔ اور دکھاوے کے بغیر زکوٰۃ دینے والا کبھی معاوضہ کی امید نہیں رکھتا ہے ۔ کیونکہ دوسری صورت میں لینے والا احساسِ کمتری کا شکار ہوتا ہے ۔ نیکی کر اور دریا میں ڈال ۔ حدیث شریف ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ۔ قبل الذکر دینے والا ہاتھ ہے اور بعد الذکر لینے والا ۔ تو کیوں نہ اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو جس نے تمھیں اوپر والے ہاتھ سے نوازا ہے ۔ حدیث شریف سنی ہے کہ ایک بار ایک امیر آدمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : ”یا رسول اللہ میرے پاس بڑی دولت ہے ۔ مجھے ہدایت فرمائیں کہ کس طرح خرچ کروں“ حضورؐ نے فرمایا ”تمھیں اپنا مال پیارا ہے کہ اپنے شریکوں کا ؟“ امیر نے عرض کیا ” ظاہر ہے اپنا ہی مال زیادہ پیارا ہوگا“ جواب ملا ”پس اپنا مال وہی ہے جو اپنی زندگی کے دوران خدا کی راہ میں خرچ کرو ۔ باقی مال شریک آپس میں تقسیم کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ اس دوران کچھ تُو تُو مَیں مَیں بھی ہوگی“

زکوٰۃ سے امیری اور غریبی کی درمیانی خلیج کم ہوجاتی ہے اور آپس میں محبت بڑھ جاتی ہے ۔ اس کے برعکس سودی کمائی اور رشوت جیسی ناجائز کمائی سے محبت کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے ۔ آدمی ننانوے کے پھیر میں پڑ کر ناجائز اور حرام کمائی کیلئے

ناجائز حربے اختیار کرتا ہے اور اس طرح سے معاشرہ ہر طرح کی کثافتوں سے ملوث ہو جاتا ہے۔ استحصال کا مزاج فروغ پاتا ہے۔ ہر لالچی آدمی دوسرے کو دبانا اور لوٹنا چاہتا ہے اور پورا سماج بدنظمی کا شکار ہوتا ہے۔

زکوٰۃ شریعت کے لحاظ سے ایک مقرر کردہ سالانہ ٹیکس ہے اور حقیقت کے اعتبار سے اپنی جائداد اور مال میں خدا اور خدا کے بندوں کے حق کا اعتراف ہے۔ پہلے طہارت کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان ہو چکا ہے کہ جس طرح پانی اور صابن سے تن اور لباس پاک ہوتا ہے تو زکوٰۃ سے مال کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کو کبھی دل کی تسکین نہیں ہوگی۔

اسلام کا پانچواں رکن ۔ حج

حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اصل شکل ہے۔ جس طرح رمضان کا روزہ قرآن کے نازل ہونے کی یادگار ہے۔ اسی طرح حج حضرت ابراہیمؑ کے دین کی یادگار ہے۔ خانہ کعبہ وہ مقدس مقام ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ اور آپؑ کے پیارے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے خدا کے نام پر سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔ تاکہ خدا پرستوں کا مرکز بنے اور وہ عمر میں کم از کم ایک بار اکٹھے ہو کر ابراہیمی طریق سے عبادت کرے اور توحید کا علم بلند رکھیں۔

تمام مسلمانان دنیا دن میں پانچ بار اس مسجد کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور جو لوگ اخراجات اور دیگر لوازمات پورے کر سکتے ہوں تو عمر میں کم از کم ایک بار جمع ہو کر چاروں طرف طواف کریں۔ صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان ویسے ہی دوڑ دوڑ کر اللہ تعالےٰ سے دعا مانگیں جیسے حضرت ہاجرہؓ دوڑی تھیں اور عرفات اور منیٰ کے میدانوں میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور منیٰ میں آکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا جشن منائیں اور دنیا بھر کے مسلمان ایک جگہ مل کر بھلائی کی باتیں کریں اور مناسب حال تجاویز سوچیں۔

حج کی عبادات دراصل اسلامی تعلیمات کو علامتی طور پر دہرانا ہے جو اسلام میں معنوی طور پر مطلوب ہیں۔ مسلمان اسلامی احکام کو مخصوص طور پر تشکیل دے کر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتا ہے کہ آدمی انہی بنیادوں پر اپنی زندگی کو قائم رکھے۔

اسلام کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے مصنوعی بین المسلمین امتیازات ختم ہو جائیں۔ احرام اس کی ایک عملی صورت ہے جس میں مختلف ملکوں اور مختلف رنگوں کے لوگ یکساں طور پر ایک ہی سادہ لباس پہنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لباس امتیازات مٹانے کے علاوہ آخری لباس یعنی کفن کی یاد بھی دلاتا ہے۔ اس یاد سے قدرے رقت پیدا ہوتی ہے اور دعاؤں کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ طواف اس امر کی علامت ہے کہ انسان کی پوری زندگی خدا کے ارد گرد گھومنے لگے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان خدا کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتے رہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان اسی کی مشق ہوتی ہے۔ اسلام ہم سے طلب کرتا ہے کہ خدا کی پکار بلند ہو۔ "لبیک اللّٰھم لبیک" اسی کا عملی اقرار ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ میدانِ محشر کی یاد دل میں موجود رہے۔ عرفات میں قیام اسی کی ایک ظاہری یاد دہانی ہے۔ اسلام چاہتا ہے آدمی ہر وقت شیطان سے بیزار ہو کر اس سے دور رہے۔ اور اسے بھگا دے۔ شیطان کی پتھر کی علامتوں پر کنکریاں مارنا اسی کا ایک عملی سبق ہے۔ اسلام تقاضا کرتا ہے کہ انسان مثبت اور صالح اعمال کے لیے ہر وقت قربانی دینے کے لیے تیار رہے تو منیٰ میں جانوروں کو قربان کرنا اسی کی ایک خارجی علامت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو کوئی دُکھ نہ دیں۔ حج میں غصہ، بدکلامی، بے حیائی، بددیانتی اور مار پیٹ بالکل حرام ہے۔ غرض یہ ہے کہ آدمی کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اور اس کی مخلوق کو تحفظ دینے کے لیے جو کچھ کرنا ہے، حج اس کا ریہرسل یعنی تیاری اور مشق ہے۔

چند اصولی باتیں جو ارکانِ خمسہ سے اخذ ہوتی ہیں

فرض و سنت اور واجبات کے علاوہ چند اصولی باتیں ایسی ہیں جن کی خصوصیت سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ باتیں ارکانِ خمسہ سے اخذ ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) نیّت (۲) طہارت (۳) اجتماع (۴) مساوات (۵) وقت کی پابندی (۶) مشاورت (۷) نظم و ضبط۔

ان اقدار میں سے پہلی دو یعنی نیّت اور طہارت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اجتماع

مسجد میں نماز پڑھنا گھر پر نماز پڑھنے سے ستائیس درجے بہتر ہے۔ اس لیے کہ مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا اپنی نزدیکی مسجد میں دن میں پانچ مرتبہ جمع ہونے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور اگر کچھ مذہبی یا معاشرتی مسائل ہوں تو باہم دگر مشورہ سے حل ہو سکتے ہیں۔ پھر ہفتے میں ایک بار جمعۃ المبارک کے روز سارے لوگ اپنی اپنی مسجدوں کو چھوڑ کر جامع مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ عیدین پر سب لوگ جامع مسجدوں کو چھوڑ کر کھلے میدان یعنی عیدگاہ میں جمع ہو کر نماز عید ادا کرتے ہیں۔ اس طرح جمعہ کے اجتماع سے بڑھ کر اجتماع ہوتا ہے۔ اور پھر سال میں ایک بار سب سے بڑا اجتماع حج کے دنوں میں مکّہ معظمہ میں ہوتا ہے۔ دنیا بھر سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر حج کے لوازمات پورے کرتے ہیں۔ میدان عرفات کا عظیم اجتماع قابلِ دید ہوتا ہے اور میدانِ محشر کی یاد دلاتا ہے۔ جمعہ اور عیدین پر خطبے دیئے جاتے ہیں مگر حج کا

خطبہ عالم گیر خطبہ ہوتا ہے ۔ ان خطبوں میں فرمان الٰہی اور ارشادات نبوی سنائے جاتے ہیں ۔ دنیا بھر کے لوگ آپس میں مل کر پیار اور خوشیاں بانٹتے ہیں ۔ اور امام صاحب قائد نماز کی حیثیت سے اسلامی دنیا کے لیے خصوصاً اور باقی دنیا کی فلاح کے لیے عموماً دعائیں مانگتے ہیں اتنا بڑا اجتماع نظم و نسق اور اطاعتِ قائد کے لحاظ سے ساری دنیا میں اپنی مثال آپ ہی ہے ۔

مساوات

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نماز کے لیے صف بندی ہوتی ہے تو امیر و غریب اور رنگ و نسل کا فرق مٹ جاتا ہے ۔ اخوت کی عملی تصویر سامنے آتی ہے مگر حج کے موقع پر اس مساوات اور اخوت کو مزید تقویت مل جاتی ہے جب امیر و غریب عربی عجمی اور گورے کالے کی تمیز بالکل ختم ہو جاتی ہے جب ساری دنیا کے لوگ اپنے اپنے قومی لباس کو چھوڑ کر ایک سادہ اور سفید پوشاک یعنی احرام میں ملبوس ہو جاتے ہیں ۔ یہ لباس سفید ہونے کی بناء پر آخری لباس یعنی کفن کی یاد دلا کر اور رقت پیدا کرتا ہے ۔ اور اس رقت سے آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اور گناہ بڑی حد تک دھل جاتے ہیں ۔

وقت کی پابندی

جو شخص ہر کام اپنے مقررہ وقت پر کرتا ہے ۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے اور منزل مقصود نزدیک سے نزدیک تر ہو جاتی ہے ۔ جس نے وقت کی قدر نہ کی ، کبھی سرخرو نہ ہوا ۔ اسلام نے اس سنہری اصول کی تربیت خصوصیت کے ساتھ دی ہے ۔ ہر نماز کا وقت مقرر ہے ۔ روزہ کو لیجیے سحری اور افطار کا

Marfat.com

وقت معین ہے اور اس عمل پر قائم رہنا لازمی اور لابدی قرار دیا گیا ہے۔ صبح سویرے یعنی رات کے پچھلے پہر اٹھنے پر تہجد اور اس کے فوائد ایک باا ثر ترغیب ہے۔ اذان کا یہ فقرہ کہ نماز نیند سے بہتر ہے، مسلمان کو سحر خیزی پر آمادہ کرتا ہے۔ نماز کا قضا ہونا اور قضا ہونے کے نقصانات سے پابندیٔ وقت کی آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ وقت کی قدر کرنا اور اسے ضائع نہ کرنا کامیابی کی طرف قدم اٹھانے کے برابر ہے۔ وقت کی پابندی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے اور انسان خوشگوار اور متوازن زندگی بسر کرتا ہے۔

نظم وضبط۔ ڈسپلن

ڈسپلن اس وقت قائم رہتا ہے جب قائد کا احترام اور اس کی اطاعت کا خیال ذہن میں ہو۔ اسلام نے اس کی تربیت اس طرح دی کہ امام صاحب قیام کے دوران قرآن پڑھتے ہیں تو مقتدی نہایت خاموشی سے اور کوئی جسمانی حرکت کیے بغیر سنتے رہتے ہیں اور اسی طرح سے جب خطبے پڑھے جاتے ہیں تو بولنا تو درکنار ہاتھ جوڑ کر بگوش وہوش سنتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ حرم کی طرح مسجد میں بھی گالی گلوچ، لڑائی، لغو اور فحش باتیں، جھوٹ اور غیبت کرنا بالکل ممنوع قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سچا نمازی اس کیفیت کو مسجد سے باہر آکر بھی قائم رکھتا ہے۔

مشاورت

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی کوئی خاص اقدام فرمایا تو پہلے اپنے رفقاء کے ساتھ مشورہ فرمانا ضروری سمجھا کیونکہ آنے والے مسلمانوں کے مفاد

Marfat.com

کے لیے اس سنّت کو قائم رکھنا ضروری تھا تاکہ جمہوری اصولوں کو تقویت مل جائے اور مطلق العنانیت کی بیخ کنی ہو ۔ ورنہ آپ کا ہر اقدام لغزش سے پاک اور نتیجہ کے لحاظ سے بالکل پختہ تھا۔ کیونکہ ہر لمحہ حکم الٰہی اور ہدایت رحمانی کا چراغ رہنمائی کے لیے موجود تھا۔ اور "مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی" کا سہارا ہر لمحہ زیر نظر ہوتا تھا۔ اس قدر و منزلت اور لغزش سے پاک ہونے کے باوجود دوسروں کی بات کا احترام کرنا بھی سنّت قرار دیا جب غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کے بارے میں حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز کو اجابت بخشی ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی کسی کو اپنے ساتھیوں سے اتنا مشورہ کرنے والا نہیں پایا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ سے معاملات میں مشورہ فرماتے تھے ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ختنہ

ارکان خمسۂ اسلام سے اخذ شدہ اقدار کے علاوہ قربانی کے بعد ایک اور ابراہیمیؑ سنّت ختنہ ہے جو اسلام نے اپنائی ہے چودہ سو اور کچھ برس پہلے جب سائنس اور خاص کر میڈیکل سائنس نے کوئی ترقی نہیں کی تھی ۔ بانیٔ اسلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ختنہ کی افادیت اور اس کی طبّی اہمیت سے اُمّی ہونے کے باوجود بخوبی واقف تھے کہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہونے کے علاوہ کئی جنسی بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے ۔

آج بیسویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں سائنس دانوں نے تحقیق کر کے دریافت کیا ہے کہ ختنہ سے ایک مہلک جنسی بیماری "AIDS" یعنی (Acquired Immune Deficiency Syndrome) سے آدمی محفوظ رہ سکتا ہے ۔ اس تحقیق کے لیے ۳۷ ملکوں سے مواد اور مشاہدات حاصل کر کے معلوم ہوا ہے

کہ اس بیماری سے عضو تناسل میں السر بھی ہو سکتا ہے جو مہلک اور تقریباً لاعلاج ہے۔

امریکہ کا ایک جریدہ "سائنس" لکھتا ہے کہ خطرے کا تناسب مختون اور غیر مختون میں ۱ : ۸ ہے۔ AIDS کے بارے میں تقریباً ایک سال سے تحقیق شروع ہے۔ اور محقق سائنس داں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ختنہ ہر صورت میں اس بیماری سے نجات دے سکتا ہے۔ اوٹاوا یونیورسٹی (کینیڈا) کے ایک سائنس داں فرانسس پلومر (Francis Plummer) نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ (بحوالہ اخبار کشمیر ٹائمز جموں۔ مورخہ ۸۹-۸-۱۰)

اب اندازہ کیجیے کہ بانیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر حکمت اور دور اندیشی سے سرفراز تھے، یہ امر بھی ایک واضح ثبوت ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ جو ہر لحاظ سے مکمل ہے اور مسلمانوں کا امام قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو پاکیزہ اور کامیاب زندگی گزارنے کی پوری رہنمائی کرتا ہے۔ اس ضمن میں میں نے ذکر کیا ہے کہ مہاتما گاندھی، جارج برنارڈ شا اور مائیکل ایچ ہارٹ (تینوں غیر مسلم مفکرین) نے بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقا کے بارے میں کن زرّیں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غرضیکہ اسلامی اقدار کو اپنا کر آدمی فِی الدُّنیَا حَسَنَةً وَّفِی الاٰخِرَةِ حَسَنَةً کے مقصد اعلیٰ کو حاصل کر سکتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایک مثالیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کو تعلقِ فدائیت تھا۔ اس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دعویٰ کو سامنے رکھتے ہوئے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں:

Marfat.com

۱ : جنگ احد سے فارغ ہونے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے شام کے قریب مدینہ کو واپس ہوتے۔ اس جنگ میں یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ آنحضور صلعم نے شہادت پائی ہے۔ اس لیے مدینہ کی خواتین عالم گھبراہٹ میں گھروں سے نکل کر رستہ پر کھڑی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کریں۔

ایک انصاری عورت نے ایک شخص سے پوچھا کہ رسول پاکؐ کا کیا حال ہے۔ اس کا دل چونکہ مطمئن تھا کہ حضورؐ بخیر و عافیت ہیں۔ اس نے خاتون کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا لیکن یہ کہا کہ تمہارا باپ شہید ہو گیا ہے۔ خاتون نے اس شہادت کی طرف دھیان نہ دیتے ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ اس شخص نے پھر کوئی جواب نہ دیا اور کہا کہ تمہارا بھائی شہید ہو چکا ہے مگر اس کے نزدیک یہ خبر بھی چنداں اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اسے باپ، بھائی، بہن سب ہیچ نظر آرہے تھے اور ایک ہی خیال تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے آگاہ ہو۔ پھر سوال کیا اور جواب ملا کہ تمہارا خاوند شہید ہو چکا ہے اس اندوہناک خبر نے بھی اس شمع نبوت کے پروانہ پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ وہ بےچین ہو کر بولی کہ مجھے ان خبروں کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کون مرا ہے اور کون جیتا ہے۔ مجھے تو صرف یہ بتاؤ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اب چونکہ اس شخص کے پاس دوسری کوئی خبر نہ تھی تو اس نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت ہیں اور صحیح و سالم تشریف فرما ہو رہے ہیں۔ یہ جواب سن کر اس کی جان میں جان آئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"اگر آپؐ زندہ ہیں تو سب مصائب ہیچ ہیں۔"

۲ : حضرت سعدؓ بن ربیع جنگ احد میں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ جنگ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیؓ بن کعب کو ان کے متعلق دریافت

حال کے لیے بھیجا۔ وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت سعدؓ کو نزع کی حالت میں پایا۔ دریافت کیا کوئی پیغام ہو تو دے دو۔ ایسی حالت میں ایک عام آدمی اپنے بال بچّوں کے لیے پیغام دے گا۔ لیکن اس سعید نوجوان نے عین اس وقت جب کہ اسے اپنی موت قریب نظر آرہی تھی اور طاقتِ گویائی سلب ہونے والی تھی اس نے یہ پیغام دیا کہ "میرے مسلمان بھائیوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور میری قوم سے کہنا کہ تمھاری زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو یاد رکھنا کہ خدا تعالیٰ کے حضور تمھارا کوئی جواب مسموع نہ ہوگا" یہ الفاظ کہے اور مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

۳۔ حضرت زیدؓ بن حارثؓ ایک اچھے خاندان کے نونہال تھے مگر ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے بچپن ہی میں ان کی آزادی چھین کر عکاظ کے بازار میں حکیم بن حزام کو فروخت کیا۔ انھوں نے تحفہ کے طور پر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے حضور میں پیش کیا اور اس طرح آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں پہنچے۔

ایک دفعہ ان کے قبیلہ کے لوگ حج کی نیّت سے مکّہ میں آئے تو انھیں پہچان لیا اور ان کے والد کو خبر دی۔ خوش ہو کر وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر مکّہ میں پہنچا اور آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ میرے لڑکے کو آزاد کریں اور جو فدیہ چاہیں لے لیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ "فدیہ کی کوئی ضرورت نہیں، زیدؓ کو بلا کر پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

حضرت زیدؓ کو بلایا گیا اور دریافت فرمایا کہ تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں یہ میرے والد اور چچا ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔ والد اور چچا کی موجودگی میں بھی حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ "میں حضورؐ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپؐ ہی میرے باپ اور ماں ہیں۔ آپؐ کے در کو چھوڑ کر میں کہیں جانا پسند

نہیں کرتا" اس جواب کو سن کران کے والد اور چچا محو حیرت ہو گئے۔ اور کہا کہ "زیدؓ! کیا تم ہم پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟" حضرت زید نے کہا "ہاں، مجھے اس ذات پاک میں ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں کہ ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔"

۴۔ دوران ہجرت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے تو ایک بار آنحضرت صلعم حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ اتفاقاً سوراخ میں سے ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے اپنے محبوب آقاؐ کے آرام میں معمولی خلل کو بھی گوارا نہ کرتے ہوئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر خوشی اور مسرت کے جذبات سے اس سوراخ پر پاؤں رکھا جس پر سانپ نے کاٹ لیا۔ زہر اثر کرنے لگا مگر پھر بھی آپ رضؓ نے حضورؐ کے آرام کا اس قدر خیال رکھا کہ "اُف" تک نہ کی۔ لیکن درد کی شدّت بے قرار کر رہی تھی اس لیے آنکھوں سے آنسو گر گئے۔ ایک قطرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے رخسار مبارک پر گرا۔ حضورؐ کی آنکھ کھل گئی اور وجہ دریافت فرمائی۔ یارِ غارؓ نے عرض کیا کہ سانپ نے ڈس لیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعابِ دہن اس مقام پر لگایا اور اللہ کے فضل سے فوراً زہر دور ہو گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہ، ایک انصار خاتون ہند جو عمرو بن جموع کی زوجہ تھیں اور ابو دجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار جنگ احد کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں اس کا مطالعہ بھی بہت ہی جذبات انگیز ہے۔

ازواجِ مطہرات اور ترتیبِ نکاح

(اختصار کے ساتھ)

ازواج مطہرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ تھیں۔ جن میں سے دو نے آپؐ کی حیاتِ بابرکات ہی میں وفات پائی۔ ایک حضرت خدیجہ اور دوسری

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور دس حضورؐ کے وصال کے وقت زندہ تھیں ۔
ابوسعید خذریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا اور نہ اپنی بیٹی کا اس وقت تک نکاح کیا جب تک حضرت جبریلؑ اللہ عزوجل کے پاس سے وہی لے کر میرے پاس نہیں آگئے ۔

۱ ۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ بنت خُوید

پہلا نکاح ابوہالہ بن زراہ تمیمی سے ہوا ۔ جن سے دو بیٹے سند اور ہالہ پیدا ہوئے دونوں اسلام لائے اور دونوں صحابی ہیں ۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد عتیق بن عائذ مخذومی کی نکاح میں آگئیں ۔ ان سے ایک لڑکی تھی جس کا نام ہند تھا ۔ وہ بھی اسلام لائیں ۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ تھیں حضورؐ نے دوسرا عقد نہیں کیا ۔ حضورؐ نے خود قبر میں اتارا اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی

جوں جوں زمانۂ نبوت قریب ہوتا جاتا تھا ۔ حضورؐ کے ظہور کی بشارتیں ظاہر ہوتی جاتی تھیں ۔ حضرت خدیجہؓ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو توریت اور انجیل کے زبردست عالم تھے اور وہ نبی آخر الزماں کے ظہور کے منتظر تھے) نے بڑا متاثر کر لیا تھا ۔ اور ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا اور نکاح کی پیش کش کی ۔ نکاح ہوا اور بعثت کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا ۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے تفصیل آگے جا کر اولاد کرام کی مد کے تحت آئے گی ۔

۲ ۔ اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ :

والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید تھا ۔ خولہ بنت حکیم نے اس ازدواج کا بندوبست کیا ۔ بہت بوڑھی ہوئیں تو اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہؓ

Marfat.com

کو ہبہ کر دی۔ ان کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے تھا۔ اس نے حبشہ سے واپسی پر انتقال کر لیا۔ اس لیے حضورؐ نے تحفظ میں لے لیا۔

۳۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ :

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی۔ حضرت عائشہ کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی۔

ہجرت سے تین سال پہلے ۱۰ نبوت بعثت میں نکاح ہوا۔ ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اپنے والد مکرم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فہم و فراست اور مقام صدیقیت سے خاصا حصہ پایا تھا۔ فصاحت و بلاغت کے بارے میں حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ " میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھی کی آغوش میں سر رکھے رکھے رفیقِ الاعلےٰ سے جا ملے اور ان کے حجرہ ہی میں دفن ہوئے۔ ماشاءاللہ کتنا بڑا فخر ہے!۔

۴۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ فاروقِ اعظمؓ :

حضرت حفصہؓ کی والدہ کا نام زینب بن مظعون تھا۔ حضرت حفصہ کا پہلا نکاح خنیس بن خذامہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا۔ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ غزوۂ بدر کے بعد خنیس کا انتقال ہو گیا۔ جب بیوہ ہو گئیں تو والد بزرگوار نے باری باری حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے بیٹی کا نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ دونوں خاموش رہے تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام بھیجا اور ۳ھ میں نکاح ہوا۔ وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ ماہ شعبان ۴۵ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

۵۔ اُمّ المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا۔ سخاوت اور فیاضی کی وجہ سے دور جاہلیت ہی سے ام المساکین کا لقب پایا تھا۔ والد کا نام خزیمہ بن الحارث ہلال تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا۔ ۳ھ میں عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ عدّت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ۳۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۶۔ اُمّ المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ :

آپ کا نام ہند تھا۔ ام سلمہ کنیت تھی۔ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا۔ انہی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی۔ واپس آئیں تو مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ابوسلمہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ زخم کے پھر سے سبز ہونے کی بنا پر ۴ھ میں وفات پائی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیجا تو ام سلمہؓ نے چند عذر پیش کیے۔ (۱) میں عیال دار ہوں (۲) میری عمر زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمھاری عیال اللہ اور اس کے رسولؐ کی عیال ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا کہ تمھاری مدد کرے۔ ماہ شوال ۴ھ میں حضورؐ سے نکاح ہوا۔ سب ازواج مطہرات کے بعد ۸۴ سال کی عمر پاکر ۶۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں نے قبر میں اتارا۔

۷۔ اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ :

حضرت زینب بنت جحش آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی امیمہ بنتِ

عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ آپؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپؐ کے متبنیٰ اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں کچھ نااتفاقی کی بناء پر زید نے طلاق دے دی۔ اور قرابت کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کے بعد زید کے ذریعہ نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ جب تک اللہ جل شانہٗ سے استخارہ نہ کروں اور جواب نہ پاؤں قطعی جواب نہ ہوگا۔ استخارہ کیا تو مثبت جواب ملنے پر نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال تھی۔

منافقوں نے ایک پرانی رسم کہ متبنّےٰ کی طلاق شدہ بیوی سے نکاح نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی زبانِ طعن دراز کر دی تو وحی نازل ہوئی اور منافقین شرمسار ہوئے۔ وحی کا ترجمہ یوں ہے:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، کسی کو اپنا بیٹا نہ جانو۔ ہاں وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اس لحاظ سے سب کے روحانی باپ ہیں۔ (۲) پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی تو اے نبیؐ! ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔" (الاحزاب ۳۷)
واقعی حضرت زینبؓ کو فخر حاصل تھا کہ نکاح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۸۔ اُمّ المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ضرارؓ:

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ وہ غزوہ مریسیع میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں بہت سے بچّے اور عورتیں گرفتار ہوئیں۔ ان میں جویریہؓ بھی تھیں۔ ایک معزز خاندان کی بیوہ شدہ بیٹی ہونے کے ناطے آنحضورؐ نے آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ۶۵ سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ عبادت کا بہت شوق تھا عبادت کے لیے گھر میں ایک جگہ مسجد کے نام سے مخصوص کر رکھی تھی۔

Marfat.com

۹ - اُمّ المومنین ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان :

رَملہ نام تھا اور اُم حبیبہ کنیت تھی۔ ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھی۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ اُم حبیبہؓ ابتدا ہی میں مسلمان ہوئیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں لڑکی ہوئی۔ حبیبہ نام رکھا اور اسی کنیت سے رَملہ کا نام ام حبیبہؓ میں بدل گیا۔ عبیداللہ پھر نصرانی ہوا اور شراب وکباب میں لگا رہا اور اسی حالت میں موت ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو شاہ حبش نجاشی کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہؓ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو وکیل بن کر نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔ ام حبیبہؓ نے اس پیام کو قبول کیا۔ شاہ نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھا۔ ولیمہ دیا اور بیگمات سے تمام عطر وخوشبو دلائے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے وہ عود اور عنبر لا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا۔ ۴۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۷۴ سال تھی۔

۱۰ - ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطبؓ :

حضرت صفیہؓ حی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں۔ حی حضرت موسٰے علیہ السّلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھا۔ والدہ کا نام ضرہ تھا۔ پہلا نکاح سلام بن مشکم قرضی سے ہوا۔ سلام کے طلاق دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ شوہر ثانی غزوۂ بدر میں مارا گیا اور حضرت صفیہ گرفتار ہو کر آئیں۔ اور ایک معزز سردار کی بیٹی ہونے کے ناطے رسول اللہؐ نے ان کو آزاد کر کے زوجیت میں لے لیا۔

Marfat.com

۱۱۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ بنتِ حارثؓ :

میمونہ آپ کا نام ہے۔ باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ پہلے ابو رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں۔ ۵۱ھ میں انتقال کیا۔ اور سرف میں جہاں عروسی ہوئی تھی وہیں دفن ہوئیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۱۲۔ اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ :

اسکندریہ کے شاہ مقوقش نے بطور نذرانہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اور حضورؐ نے شاہ مقوقش کی خوشنودی کے لیے نذرانہ قبول فرمایا حضرت ماریہ قبطیہؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۶ھ میں خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

اولادِ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کے تین صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔ جن میں حضرت ابراہیم کے سوا سب کے سب ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے تھے۔

صاحبزادے قاسمؓ، عبدؓ اللہ اور ابراہیمؓ تینوں بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔

صاحبزادیاں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہ الزہرہؓ سب بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

حضرت زینبؓ سب سے بڑی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں

Marfat.com

غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ شروع ۸ھ میں انتقال ہوا۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی علی اور امامہ اپنی یادگار چھوڑ گئیں۔ حضرت علیؓ بن العاص معرکہ یرموک میں شہید ہوتے۔ حضرت امامہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مانوس تھیں اور بعض اوقات نماز کے وقت آپؐ کے دوشِ مبارک پر چڑھ جاتی تھیں اور حضورؐ آہستہ آہستہ ان کو اتار دیتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے حضرت امامہ سے نکاح کیا اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وصیت کے مطابق حضرت مغیرہؓ بن نوفل کے نکاح میں آگئیں اور ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا مغیرہؓ کے ہاں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ

حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ حضرت رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اور حضرت ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا اور عروسی نہیں ہوئی تھی۔ سورۃ لہب نازل ہوئی تو ابی لہب نے دونوں بیٹوں کو طلاق دینے پر مجبور کیا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا۔ حبشہ کی ہجرت میں وہ بھی ساتھ گئیں۔ وہاں جاکر ایک لڑکا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ غزوۂ بدر کے دوران بیمار ہوئیں اور فتح بدر کے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۰ سال تھی۔

حضرت ام کلثوم کے پہلے شوہر کو حضورؐ کی قمیض پھاڑنے کی بدتمیزی کی خاطر خدا نے بڑی سزا دی۔ مقام زرقاء میں اس کا قافلہ اترا۔ رات کے وقت ایک شیر

آیا اور چن کر عتیبہ کا سر چبایا اور اسی وقت اس کا دم نکلا۔

حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ماہ شعبان ۹ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حضرت فاطمۃ الزہراؓ

فاطمہ آپ کا نام تھا۔ زہرا اور بتول آپ کے دو لقب تھے۔ آپ حضور انورؐ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ صاحبزادے حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما تھیں۔ حضرت محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا۔ کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت زینب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان سے اولاد ہوئی۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ بار بار حضورؐ نے فرمایا کہ "اے فاطمہ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو؟"

حضرت ابراہیمؓ

حضرت ابراہیمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز عقیقہ کیا۔

Marfat.com

دو مینڈھے ذبح کیے۔ سر منڈوایا۔ بالوں کے وزن کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی۔ بال زمین میں دفن کیے گئے اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔ پندرہ مہینے زندہ رہ کر سنہ ھ میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

ارشاداتِ نبویؐ ہیروں کے خزانے سے چند ایک نمونے

۱: اسلام اور کفر میں صرف نماز ہی کا فرق ہے۔

۲: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی۔ یہ تحقیق اس نے کفر کیا اور ناشکری کی۔

۳: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں تم کو ایک چیز بتادوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تمہارے مرتبے بلند کرے" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! ارشاد فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"مشقت اور شدائد کے وقت پورا پورا وضو کرنا۔ مسجدوں کی طرف جانے میں کثرت سے قدم رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہ جہاد کے قائم مقام (برابر) ہے۔" "مسلم"

۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنّت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔ (احمد)

۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نہیں ہوتی۔ اور نہ مال حرام سے صدقہ مقبول ہے۔ (مسلم)

۶: امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضورؐ سے

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ جو شخص حسن و خوبی کے ساتھ وضو کرے، اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکلتے ہیں۔ (بخاری مسلم)

۷: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جو شخص وضو ہوتے ہوئے بھی وضو کرے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

۸: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے ستّر درجے افضل ہے اس نماز سے جس کے لیے مسواک نہ کی جائے۔ (بیہقی)

۹: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو۔

۱۰: تین باتیں اپنی اولاد کو ضرور سکھاؤ:-

(ا) اپنے نبیؐ کی محبت۔ (ب) آپ کے اہل بیت کی محبت۔ (ج) کلام الٰہی (قرآن شریف) کا پڑھنا۔

۱۱: مظلوموں کی آہوں سے بچو کیونکہ اُن کی پکار اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے

۱۲: تم زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

۱۳: اعمال کی جزا و سزا کا دار و مدار نیّت ہے۔ جیسی نیّت ویسا پھل۔

۱۴: حضرت معاذؓ کا بیان ہے کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے، جو مجھے جہنم سے دور رکھے اور جنّت میں لے جائے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی۔ البتہ خدا جس کے لیے آسان کر دے، اس کے لیے وہ آسان ہے۔ اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔ نماز ادا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ (بخاری مسلم)

۱۵: حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تمھیں اپنی نیکی سے مسرت ہو

Marfat.com

اور اپنی برائی بری معلوم ہو تو تم مومن ہو۔

۱۶ : حضرت عمر بن عبسہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کیا چیز ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں سے اچھی طرح باتیں کرنا غریبوں کو کھانا کھلانا، اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا۔

میں نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا صبر و سخاوت، پاکیزہ اخلاق۔

میں نے پھر دریافت کیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس میں قرات و قیام طویل ہو۔

۱۷ : حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "منافق کی تین علامتیں ہیں (۱) جب بھی گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب بھی وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ (۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے، تو خیانت کرے۔

۱۸ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قدر (تقدیر کا انکار کرنے والا) کی مجلس میں نہ بیٹھو اور ان کے پاس معاملہ نہ لے جاؤ۔ (ابو داؤد)

۱۹ : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو خیر اور برکت عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس کو دین کی سمجھ اور بصیرت سے سرفراز فرماتا ہے اور میں علم و معرفت اور حکمت و بصیرت صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ دینے والا تو دراصل وہی مالک کائنات ہے۔ (بخاری مسلم)

۲۰ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ نے مجھے تمام اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل کے لیے اور تمام اعمال محاسن کو کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

۲۱ : ابو رافعؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم میں سے کبھی کوئی ایسا شخص نہ دیکھوں جو اپنے مسند پر تکیہ لگائے (غرور اور تکبر کے ساتھ) بیٹھا

Marfat.com

ہو۔ میری امر و نہی سے کوئی معاملہ اس کے سامنے آئے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔

کتاب اللہ میں ہم جو کچھ پائیں گے، اسی پر عمل کریں گے۔ (ابو داؤد۔ ترمذی۔ بیہقی)

مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت و سیرت کے مقابلے میں استغنا کا اظہار کرتے ہوئے کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ پر عمل کریں اور سنّت و سیرت کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت و سیرت اور آپؐ کے اقوال ہی تو کتاب اللہ (قرآن شریف) کی صحیح تفسیر ہے۔ جس طرح قرآن شریف کے احکام فرض ہیں اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی ذات اقدس اور آپؐ کے احکام بھی واجب الاتباع ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرِ مِنْ وَّجْھِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ۔ لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

حضرت جامیؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اظہارِ تشکر

۱: میرا فرض ہے کہ سب سے پہلے اس خانوادہ (تارہ بلی حضرات سری نگر) کا شکریہ ادا کروں جس نے میری طالب علمی کے زمانے میں میرے لیے مثبت ماحول فراہم کیا۔ اس صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کے پابند گھرانے میں میری ابتدائی تربیت ہوئی۔ میری عادات کثافتوں سے پاک رہیں اور میں اسلامی احکام اور لوازمات سے سرفراز ہوا۔ ایسے ماحول میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بڑھتا ہی گیا۔ بڑھتا ہی گیا۔ الحمداللہ!

۲: میں مولانا محمد متین صاحب ہاشمی کا شکر گزار ہوں جن کی تقاریر (پی ٹی وی) اس کاوش کی محرک بنیں۔

۳: میں جناب ڈاکٹر طاہر القادری کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی تقریروں نے مجھے بہت متاثر کیا اور اشتیاق بڑھایا کہ طلباء، طالبات اور غریب طبقہ کے ان مسلمانوں کے لیے جن کی قوت خرید محدود ہے، ایک خاکہ پیش کروں جس میں سرور کائنات حضرت محمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر خراج عقیدت عرض کرسکوں اور علمی کم بضاعتی کا احساس ہوتے ہوئے بھی جسارت کی۔

۴: میں شکرگزار ہوں جناب نعیم صدیقی صاحب کا جن کے شاہکار محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ خاص کر جہاں تک عام الوفود، مکاتیب رسولؐ اور خطبات کا تعلق ہے۔ میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں کہ بغیر اجازت میں نے یہ سب کچھ کیا۔ جرآت اس طرح ہوئی کہ مشن ایک ہی

Marfat.com

ہے ۔

۵ : میں مولانا وحید الدین خاں صاحب اور مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی کا شکر گزار ہوں جنکی مطبوعہ کتاب قائد انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے روشنی ملی اور میری کوشش اور زیادہ موثر ہوئی ۔

۶ : میں مولانا حافظ صدر الحسن قاسمی صاحب (امام جامع مسجد جموں) کا ازحد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے وقت نکال کر میری کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور بڑی حدتک رہنمائی سے نوازا ۔

میں اہل زبان نہیں ہوں ۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں غلطیاں بھی ہوں ہوئی ۔ بمہربانی درگذر فرمائیں ۔

نیازکیش

عبدالاحد

(ریٹائرڈ کشمیر ایجوکیشن سروس)

Marfat.com

اللّٰھم صلِّ علیٰ سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم

رہبرِ کامل

احقر عبدالاحد

SHEIKH MUBARAK ALI
M. SHAHID ISLAM
LAHORE

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

Marfat.com